دعوتِ دین

بعض عملی پہلو

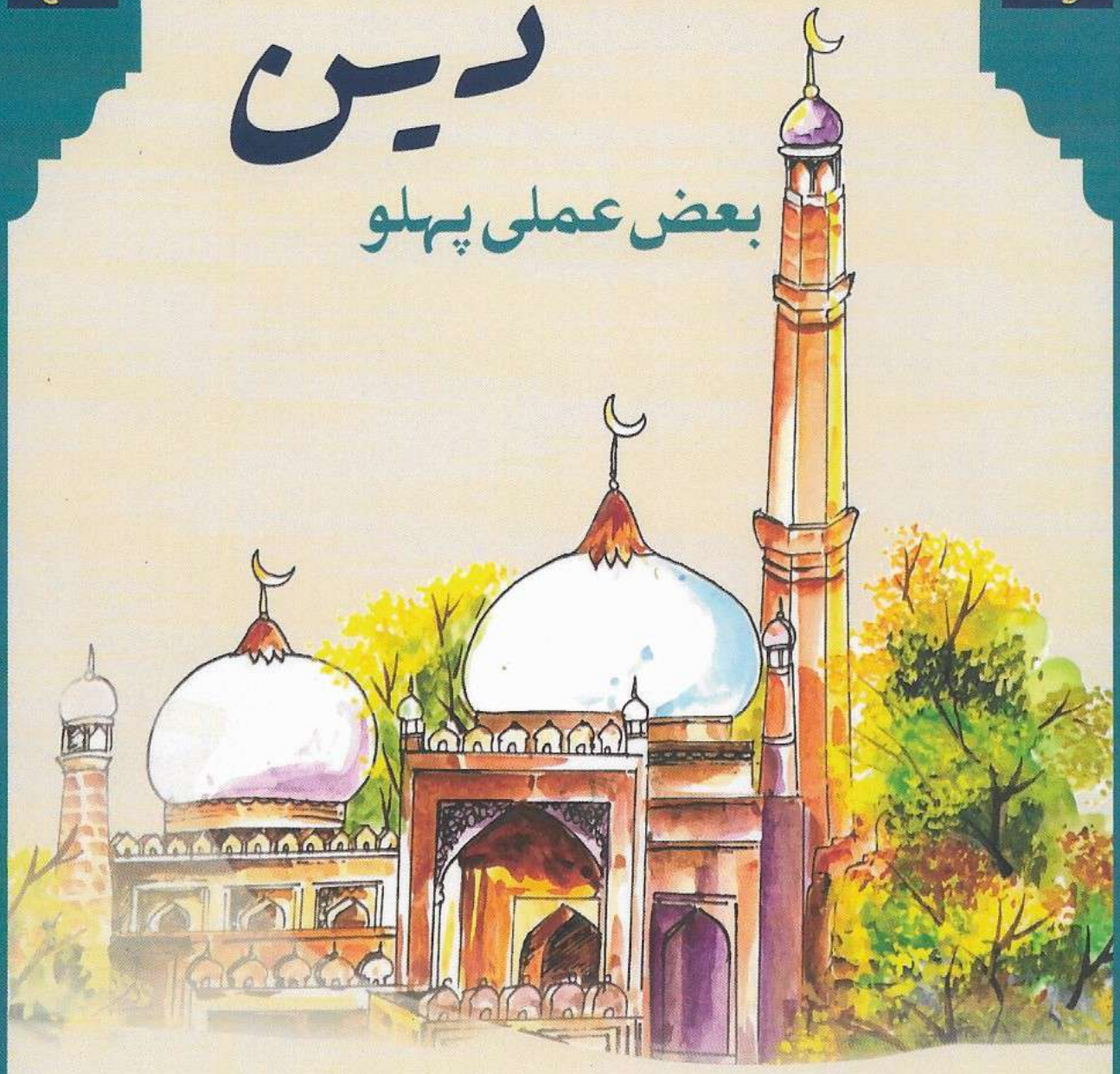

محمد اقبال مُلّا

ترتیب

پیش لفظ

تعارف

دعوت اور فریضۂ دعوت

دعوتِ دین کے متعلق مسلمانوں کی غلط فہمیاں اور حقائق

غلط فہمیاں

حقائق

مدعوئین کے متعلق مسلمانوں کی غلط فہمیاں اور حقائق

ایک اہم غلط فہمی

مسلمانوں کے متعلق برادرانِ وطن کی غلط فہمیاں

دعوت کا انفرادی منصوبہ

دعوت کیسے دیں؟

اوتار یا اوتارواد کا عقیدہ

آواگمن کا عقیدہ

عقیدۂ آواگمن کا مطلب

آواگمن کی تردید
ذات پات کا نظام
وحدتِ ادیان کی حقیقت
وحدتِ ادیان کو ماننے والوں کے دلائل
وحدتِ ادیان کے غلط ہونے کے دلائل
قبولیتِ حق کے بعد کے مسائل اور ان کا حل
قبولیتِ حق کا مرحلہ
نومسلم کی اصطلاح
تبدیلیِ مذہب کی اصطلاح
مسلمانوں کی ذمہ داری
چند احتیاطی تدابیر
نو واردین کے بعض مسائل
نو واردین کے مسائل کا حل
مسائل حل نہ کرنے کے نقصانات
نو ہدایت یافتگان کی ذمہ داری
دعوت اور کلمۂ سواء
کچھ مشترک نکات
کلمۂ سواء-ایک دوسرا نقطۂ نظر
دعوت اور خدمتِ خلق
خدمت خلق کے بعض پہلو
دعوت سے غفلت کے نقصانات (مسلمانوں کو)
مسلمانوں کو نقصانات

۱-صحیح تصور دین اور تقاضوں سے غافل ہو گئے

۲-اللہ تعالیٰ کی ناراضگی

۳-مسلمان داعی کی جگہ مدعو بن گئے

۴-امت قیادت اور امامت سے محروم ہے

۵-دعوت کے بغیر بگاڑ و فساد بڑھے گا

۶-دعوت سے غفلت امانت میں خیانت ہے

دعوت سے غفلت کے نقصانات (ملک اور باشندگان ملک کے لیے)

۱-دین کی عظیم نعمت سے محرومی

۲-دعوت سے محرومی کا انجام آخرت میں جہنم ہے

۳-مادی ترقی اور اخلاقی و روحانی زوال کا نتیجہ عذاب الٰہی

۴-مذاہب و نظریات کی ناکامی

۵-انسانی حقوق کی پامالی عام ہے

۶-عوام کی تلاش حق میں ناکامی

داعی کے لیے ضروری اوصاف

۱-اخلاص وللّٰہیت

۲-تعلق باللہ

۳-صبر

۴-استقامت

۵-دنیا سے بے رغبتی

کتابیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

یہ بات کسی درجے میں باعث اطمینان وتسلی اور ایک لحاظ سے خوش آئند ہے کہ مسلمانوں میں دعوتی کام کے لیے جذبہ پیدا ہوا ہے۔ فریضہ دعوت دین کی ادائیگی میں جو غفلت اور لاپرواہی اور ایک طرح سے بالعموم بے نیازی مسلمانوں نے روا رکھی اس کا خمیازہ آج وہ بھگت رہے ہیں۔ اللہ کے بندوں کو اس کی ہدایت اور رہ نمائی سے محروم رکھنا کوئی معمولی درجے کی کوتاہی نہیں ہے۔ یہ بات مسلمان کی سمجھ میں آج بھی آجائے کہ پچھلے چند برسوں سے جن مسائل خطرات اور چیلنجس کا وہ سامنا کر رہے ہیں، مذہبی اقلیتیں کم زور طبقات جس طرح ان کے ساتھ ظلم وزیادتی، تشدد اور حقوق کی پامالی کا شکار ہیں۔ اس کے کئی اسباب ہیں لیکن بنیادی سبب خدا کے بندوں کو آخری پیغمبر حضرت محمدؐ کی تعلیمات اور پیغام سے بے خبر رکھنا ہی ہے۔ اس کوتاہی کے سنگین نتائج میں سے ایک وہ سخت حالات ہیں جن سے مسلمان، اقلیتیں اور کم زور و پس ماندہ طبقات اور دیگر اہل ملک دوچار ہیں۔ حالات کی تبدیلی کے لیے دعوت واحد راستہ ہے۔ کیونکہ مسلمان دعوت کے ماسوا دیگر تمام تدبیروں کا تجربہ کر چکے ہیں لیکن حالات دن بہ دن تشویشناک حد تک خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ ملک کے اتحاد، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور یک جہتی، بھائی چارہ اور انسانیت کے فروغ کا دارومدار دعوت پر ہے۔

دعوت کا کام انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ادا کرنا ضروری ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث رسولؐ سے یہی ہدایت ملتی ہے۔ یہ کام کسی ایک جماعت یا تنظیم اور ادارے کا نہیں ہے بلکہ تمام مسلمانوں کا ہے۔ موجودہ حالات میں یہ انفرادی حیثیت میں ہر مسلمان کے لیے فرض عین بن گیا ہے۔

دعوت کا کام کرنے کے لیے مسلمانوں کے اندر کچھ جھجھک، ڈر اور مرعوبیت پائی جاتی

ہے۔ دعوت ایک فریضہ اور خدائی ڈیوٹی ہے اس لیے اس ڈیوٹی کو ادا کرنے والوں کی حفاظت اور مدد اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت کوئی آزمائش کا موقع آجائے تو یہاں بھی اس سے بہ خیریت نکالنے والا وہ خود ہے۔ ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کے اندر دعوت پہنچانا ہے وہ کیسے لوگ ہیں۔ ان کا رویہ دعوت دینے والوں کے ساتھ دشمنی اور نفرت کا نہیں ہے۔ انہیں سچے معبود کی تلاش اور ہدایت کی پیاس ہے۔ ان کا رویہ اس دعوت کے سلسلے میں سننے، سمجھنے اور غور کرنے کا ہے۔ مسلمان انہیں سمجھا سکتے ہیں کہ اسلام کوئی بدیسی مذہب نہیں ہے بلکہ حضرت آدمؑ- ہندوستان سے ہوکر جدہ گئے۔ یہاں حضرت آدمؑ ایک ہی پیغمبر نہیں آئے بلکہ اور بھی پیغمبر اور نبیوں کی تشریف آوری ہوئی ہے۔ برادران وطن جو اس دعوت کے مخاطب ہیں پیغام حق سننے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ دعوت دینے والوں کی جھجک غیر ضروری ہے اگر برادرانِ وطن سننا نہیں چاہتے تو خود ہی بتا دیتے ہیں۔ دعوت حق کی وجہ سے داعیوں کا اللہ تعالیٰ درجہ بلند کرتے ہیں۔ مدعوئین یا برادران وطن کے دل میں احترام پیدا ہوتا ہے۔ غرض دعوت پیش کرتے ہوئے کسی ڈر، جھجک اور مرعوبیت کے اندیشوں کو جگہ نہ دیں۔

اس کتاب میں دعوت دین کے فریضے کو انجام دیتے ہوئے بعض عملی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ دعوت دینِ داعی اور مدعوین کے متعلق غلط فہمیوں کو صاف کیا گیا ہے۔ برادرانِ وطن کے بنیادی تصورات کے متعلق مسلمانوں کی بڑی اکثریت غلط فہمیوں کا شکار ہے مثلاً آواگمن، اوتار کا عقیدہ اور ذات پات کا نظام وغیرہ۔ ان کا تعارف کرایا گیا ہے تاکہ دعوت دیتے ہوئے ان کا دلائل کی روشنی میں تردید کی جاسکے۔ ایک اہم مسئلہ وحدت ادیان کا ہے۔ اس مسئلہ کو کیسے حل کریں؟ اس سلسلے کی دلائل دیے گئے ہیں۔ قبولیت حق کے بعد نو اردین کے مسائل اور ان کا حل بتایا گیا ہے۔ جن مسلمانوں نے ابھی تک غور نہیں کیا کہ دعوت دین سے غفلت کے نقصانات کیا ہیں؟ ان کے غور خوض کے لیے تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ اہل ملک، مسلمانوں اور برادران وطن کو دعوت سے غفلت کے نقصانات کیا کیا ہو رہے ہیں۔ اس کا ازالہ خود دعوت دینے ہی میں پوشیدہ ہے کوئی بہتر سے بہتر تدبیر اور کوئی منصوبہ بندی، ان نقصانات کا ازالہ نہیں کرسکتی۔

ایک باب میں دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری اوصاف کیا ہونے چاہیے، پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ اور بعض دیگر پہلو علمی وفکری ہونے کے ساتھ ساتھ عملی زیادہ ہیں اس لیے

کوشش کی گئی ہے کہ قارئین کو ضروری حد تک معلومات فراہم کی جائیں۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد خدا کرے جذبہ دعوت پہلے سے زیادہ بیدار ہو اور میدان میں دعوت کا کام کرنے والوں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہونے لگے۔ واقعہ یہی ہے کہ پوری انسانیت کے لیے دعوت آخری پناہ گاہ ہے۔ انسان کے قدیم وجدید نظریات اور مختلف شخصیتوں سے منسوب مذاہب ناکام ہو چکے ہیں۔ وحی الٰہی اور غیبی حقیقتوں کا جب کسی سے رشتہ ختم ہو جاتا ہے تو وہ خواہ کسی نام سے کسی عقیدے یا تعلیمات سے انسان کی رہ نمائی کا دعویٰ کرے تو وہ صرف بھٹکانے کا ذریعہ بنے گا۔ اللہ تعالیٰ عادل، رحیم اور منصف ہے، اس نے اپنی مخلوق میں انسان کو اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز کیا ہے۔ اس لیے اس نے پہلے دن سے انسان کو وحی کے ذریعہ عقیدہ اور بنیادی تصورات کے متعلق صحیح علم اور صحیح راہ عمل سے نوازا ہے۔ غیبی حقیقتوں کا سچا علم آشکارا کیا ہے۔ اس کام کے لیے انسانوں میں سے پیغمبروں اور نبیوں کو منتخب کیا۔ آخری پیغمبر حضرت محمدؐ ہیں۔ آپؐ کے ذریعہ آخری مرتبہ اس ہدایت ورہ نمائی کے نظام کو کامل شکل میں پوری انسانیت کے لیے 'دین اسلام' کی شکل میں حضرت محمدؐ پر نازل فرمایا۔ مسلمان حضرت محمدؐ کی امت ہیں۔ یہ آخری امت ہونے کی بناء پر اس ہدایت ورہ نمائی کے امین ہونے کے ساتھ ساتھ داعی بھی ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی کوئی دوسری پوزیشن اگر ہے تو وہ ثانوی اور اس اولین پوزیشن کے تحت ہو سکتی ہے۔

میں مولانا سید جلال الدین عمری چیئر مین شریعہ کونسل و سابق امیر جماعت اسلامی ہند کا مشکور ہوں کہ انھوں نے کتاب پر تعارف تحریر فرمایا۔ برادر عزیز ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی سکریٹری شعبہ اسلامی معاشرہ نے کتاب کا مسودہ دیکھ کر مفید مشورے دیے، جناب ظہیر احمد معاون شعبۂ دعوت نے وقتاً فوقتاً تعاون کیا۔ اور اسٹوڈنس اسلامک آرگنائزیشن کے اشاعتی ادارے وہائٹ ڈاٹ پبلشرز نے کتاب کو اپنے یہاں سے اشاعت کے لیے منظور کیا۔ میں ان تمام حضرات کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین!

محمد اقبال مُلّا
سکریٹری شعبۂ دعوت
جماعت اسلامی ہند- دہلی

نئی دہلی-۲۵
۳۰ ستمبر ۲۰۲۱
۲۲ صفر المظفر ۱۴۴۳ھ

تعارف

اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں تک اس کا پیغام پہنچانا مسلمانوں کا فریضۂ منصبی ہے۔ قرآن مجید میں اس کی واضح ہدایات ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ آپؐ کی پوری زندگی دعوت الی اللہ کا نمونہ تھی۔ صحابہ کرام، تابعین عظام اور بعد کے لوگوں نے اس حکم الٰہی پر عمل کیا۔ وہ جہاں بھی گئے وہاں انھوں نے صدائے حق بلند کی، ان کی دعوت پر اللہ کے بندوں نے لبیک کہا اور حلقۂ بگوش اسلام ہوئے۔ اس طرح دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام پہنچا۔ ہمارے ملک ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اس کے نتیجے میں بے شمار افراد کا اسلام قبول کرنا انہی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

موجودہ حالات میں تبلیغ دین کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جارہی ہیں اور اس پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کی جارہی ہیں۔ ان سب مشکلات کے باوجود فریضۂ دعوت سے پہلوتہی نہیں کی جاسکتی۔ یہ دین وایمان کا تقاضا ہے اور ہر حال میں اس کی ادائیگی لازم ہے، البتہ ضروری ہے کہ حکمت، دانش مندی اور حالات کی رعایت کے ساتھ یہ کام انجام دیا جائے۔ زیر نظر کتاب میں دعوتِ دین کے عملی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مصنف کتاب برادرم جناب محمد اقبال مُلّا کو دعوتِ دین کے موضوع سے خصوصی دل چسپی ہے۔ اس پر ان کی حسبِ ذیل کتابیں شائع ہوچکی ہیں: دعوتی کاموں کے لیے خطوط کار، جذبۂ دعوت کی آبیاری: کیوں اور کیسے؟ محروم ومظلوم طبقات اور مسلمان، برادران وطن سے روابط کی اہمیت، حق کی تلاش، آدی باسی سماج اور مسلمان، وحدتِ ادیان کی حقیقت،

فریضۂ دعوتِ دین وغیرہ۔ میدانِ دعوت میں کام کرنے کا وہ طویل عملی تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ ۲۰۰۳ء سے مرکز جماعت اسلامی ہند میں شعبۂ دعوت کے سکریٹری کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔

اس کتاب میں دعوتِ دین کی اہمیت بتاتے ہوئے ان غلط فہمیوں کو دور کیا گیا ہے، جو دعوت اور مدعوئین کے تعلق سے مسلمانوں کے ذہنوں میں پائی جاتی ہیں، طریقۂ دعوت کی نشان دہی کی گئی ہے، اوتار واد، آواگمن، ذات پات اور وحدتِ ادیان کے موضوعات سے بحث کی گئی ہے، جن سے راہِ دعوت میں کام کرنے والوں کا عموماً سابقہ پڑتا ہے، نو ہدایت یافتگان کے مسائل کے حل کی تدابیر بیان کی گئی ہیں۔ فریضۂ دعوت سے غفلت کے وہ نقصانات بتائے گئے ہیں جو باشندگان ملک اور خود مسلمانوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ آخر میں داعی کے ضروری اوصاف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

امید ہے، یہ کتاب ان لوگوں کے لیے بہت مفید ہوگی جو دعوتِ دین کے کام سے دل چسپی رکھتے ہیں اور اس میدان میں سرگرم عمل ہیں۔

سید جلال الدین عمری
چیئرمین شریعہ کونسل، جماعت اسلامی ہند

دعوت اور فریضۂ دعوت

دعوت اللہ تعالیٰ کی بندگی قبول کرنے کے لیے بلانے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت کسی خاص قوم، نسل یا علاقہ سے (نعوذ باللہ) نہیں ہے۔ وہ تمام مخلوقات اور موجودات کا اکیلا ہی خالق، مالک، پالنہار، حاکمِ حقیقی اور معبود برحق ہے۔ وہ لاشریک ہے۔ اس کی ذات میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے۔ وہ بے مثل ہے۔ سب سے بے نیاز ہے، سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہ کسی کی اولاد نہیں اور نہ کوئی اس کی اولاد ہے۔ اسی طرح اس کی صفات، حقوق اور اختیارات میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ فرد کی انفرادی و اجتماعی زندگی اللہ کی کامل اطاعت وفرماں برداری اور احکام کی پیروی میں گزارنے کا نام بندگیِ رب ہے۔ اس کی مرضی، احکام اور ہدایات آغاز انسانیت سے لے کر ہمیشہ قوموں، ملکوں اور مختلف زمانوں میں انسانوں کو رسولوں اور پیغمبروں کے ذریعے ملتی رہی ہیں۔ پیغمبروں کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوکر حضرت محمدؐ پر ختم ہوگیا ہے۔

اس دعوت کا دروازہ سب کے لیے کھلا ہے۔ دعوت اپنے مزاج، بنیادی نظریہ اور اصولوں میں اصولی، عالمگیر، آفاقی اور انسانی نوعیت کی ہے۔ یہ اپنی پوری تاریخ میں کبھی کسی محدود دائرے میں بند نہیں رہی۔ اس کی بنیادیں ایک خدا، ایک انسان اور ایک دین یعنی وحدت الٰہ، وحدت آدم (یا انسان) اور وحدت دین ہے۔ دعوت اپنے ماننے والوں کی ایک عالمگیر برادری بناتی ہے۔ دعوت اخلاص کا مطالبہ کرتی ہے۔ وحدت اس کا جوہر خالص ہے۔ لیکن حیرت انگیز

بات یہ ہے کہ انکار کرنے والوں بلکہ سخت ترین مخالفین کو ان کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ عطا کرتی ہے۔ بحیثیت انسان ان کا احترام اور تکریم کرتی ہے۔ دیگر مذاہب، مخالف نظریات اور افکار کے ساتھ رواداری کا رویہ برتتی ہے۔ ایک ایسی فطری، عالمگیر اور انسانی دعوت کے اندر ہر انسان کے لیے بے پناہ کشش ہوتی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اسے حکمت، بصیرت اور داعیانہ دردمندی کے ساتھ پیش کرنے والا ایک گروہ ہو۔ جو صرف رضائے الٰہی اور انسانوں کی فلاح و بہبود کے جذبے سے عام انسانوں میں اس دعوت کو پھیلائے۔

اس دعوت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ محض ایک عقیدہ نہیں ہے، بلکہ عقیدہ کے ساتھ عبادات کا پورا نظام ہے۔ اس کے ساتھ یہ دعوت ایک مکمل اور جامع اخلاقی نظام، روحانی نظام، معاشی نظام، تعلیمی نظام، سیاسی نظام، سماجی و خاندانی نظام اور مخصوص تہذیب و ثقافت اپنے دامن میں رکھتی ہے۔

اس دعوت کو جہاں بھی قبول عام حاصل ہوا وہاں اس کی بدولت انسانی حقوق کی پامالی کا سلسلہ بند ہوگیا۔ انسان کی عزت و شرف اور تکریم و عظمت بحال ہوگئی۔ اس دعوت کے نتیجے میں تاریخ گواہ ہے کہ معاشی مسائل، غربت، مفلسی، بھوک اور مرض و جہالت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس دعوت کی برکت سے سماجی برائیوں: شراب، قتل ناحق، جوا، زنا، چوری، لوٹ مار، بچیوں کو زندہ دفن کرنا وغیرہ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا۔ اس دعوت نے سماجی مساوات (انسانی برابری) قائم کرکے عالمگیر انسانی برادری قائم کی۔ اور سماجی انصاف کا حصول سب کے لیے نہایت آسان اور ممکن بنادیا۔

ایک واقعہ پر غور کیجیے کہ مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ جمعہ کا دن ہے۔ اسلامی مملکت کے امیر حضرت عمر فاروقؓ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ ایک عام مسلمان کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ مال غنیمت میں سب کو ایک ایک چادر ملی ہے۔ آپ کا کرتا دو چادروں سے بنا ہے۔ یہ کیا ہے؟ (مسجد میں حضرت عمرؓ کے فرزند موجود ہوتے ہیں وہ وضاحت کرتے ہیں کہ اپنے حصے کی چادر والد کو دی تھی اس میں کرتا بن گیا۔)

دعوت کا عمل امت کے لیے زندگی، حرکتِ پیہم اور جدوجہد کا نقیب ہے۔ جس طرح کسی اچھے درخت کو مناسب روشنی، گرمی، ہوا اور پانی نہ ملے تو وہ مرجھا جائے گا، اسی

طرح دعوت کے بغیر امت مرجھاتی جارہی ہے۔

دعوت کا عام تعارف نہ ہونا ہی حقیقت میں دعوت کے قبول عام ہونے میں اصل رکاوٹ ہے۔تمام امت ایک ہی جماعت ہیں اور ان کا مشن دعوت دین ہے۔اس مشن کے لیے امت محنت اور بھرپور جدوجہد کرتی ہے تو دنیوی زندگی میں بھی اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی تائید اور حمایت کے وعدے اور کامیابی کی بشارتیں ہیں۔ماضی کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ وعدے ہمیشہ پورے ہوتے نظر آتے ہیں۔دعوت کو چھوڑنے،اس مشن سے غفلت اور لاپرواہی نے امت کو ذلت،تباہی وبربادی اور جان ومال کے نقصانات سے دوچار کردیا ہے۔یہ امت اپنی دینی شناخت کے ساتھ اپنے وجود اور بقا کے لیے پریشان ہے اور مختلف خطرات،مشکلات اور چیلنجز سے گھری ہوئی ہے۔ دعوت۔عملی ترقی،مادی خوشحالی،قیادت امامت لاتی ہے۔

دعوت کے اصل مقصد کو کبھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہیے۔دعوت کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے بندوں تک اس کی ہدایت،رہ نمائی اور تعلیمات کو پہنچانا ہے۔لوگ اپنی آزادانہ مرضی اور فیصلے کے تحت دعوت کو قبول کرلیتے ہیں تو عذابِ جہنم سے بچ جائیں گے۔اللہ تعالیٰ کی رضا،خوشنودی اور آخرت کی فلاح پائیں گے۔ہمیشہ کی کامیابی کا گھر جنت ان کا ٹھکانا ہوگی۔

دعوت کا کام کچھ مشکلات کے باوجود آسان ہے۔راہِ دعوت میں آج کوئی بڑی رکاوٹ یا مشکل درپیش نہیں ہے۔کوئی مسلمان یہ عذر نہیں کرسکتا کہ فلاں فلاں مشکلات ہیں اس لیے دعوت کا کام نہیں ہوسکتا۔کیا کسی مسلمان کا یہ جھوٹا بہانا اسے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچائے گا؟ جس طرح اس کا یہ عذر کہ اس کا گھر،دکان یا آفس مسجد سے کچھ دور ہونے کے باعث وہ فریضہ نماز باجماعت ادا نہیں کرسکتا۔دنیا کا کون سا کام ہے جس میں کچھ نہ کچھ مشکلات نہ ہوں اور اسے کوئی شخص بالکل چھوڑ کر بیٹھ جائے۔مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود جب کوئی شخص عزم کرلیتا ہے کہ اسے فلاں کام کرنا ہے۔تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کام میں آسانی پیدا فرمادیتا ہے۔دعوت کی کوئی نہ کوئی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کے اندر رکھی ہے۔اس لیے ہر مسلمان دعوت کا کام کرسکتا ہے۔ دعوت کا کام کرنے سے آئے گا اور کام ہوگا۔کام کرنے کے بجائے دعوت کی باتیں کرتے رہنے سے یہ فریضہ ادا نہیں ہوگا۔آپ تیرنے یا ڈرائیونگ سیکھنے کی مثال سامنے رکھیں۔یہ دونوں کام کوئی فرد

محض تقریریں سن کر، لکچرس نوٹ کر کے اور پاور پوائنٹ پریزنٹیشن (Presentation) سے جان کر اچھا تیراک اور ماہر ڈرائیور نہیں بن سکتا، جب تک کہ وہ فیلڈ میں جا کر اس کو عملی طور سے نہ سیکھے۔ کوئی مسلمان کبھی یہ نہ سوچے کہ وہ دعوت کا کام نہیں کرسکتا۔ دعوت کا کام آپ روزمرہ کی زندگی میں فطری انداز میں کر سکتے ہیں۔

دعوت کو موثر انداز میں پیش کرنے کے لیے مدعو کی زبان میں گفتگو کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ داعی کو وہ زبان سیکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔

مسلمانوں کے سامنے یہ حقیقت ہمیشہ رہنی چاہیے کہ آج کے حالات میں برادران وطن کا امتحان بعد میں ہے بلکہ خود ان کا پہلے ہے۔ مسلمان آزمائش اور امتحان میں ڈالے گئے ہیں۔ دعوت حق کے پیاسے اور متلاشی کروڑوں انسانوں کے ساتھ دین کے ماننے والے اور خود کو رسول اکرمؐ کی امت سمجھنے والے کیا طرزِ عمل اختیار کررہے ہیں۔ ذرا تصور کیجیے! میدانِ حشر میں اربوں کی تعداد میں انسان جمع ہیں۔ نفسانفسی کا عالم ہے۔ سب لوگ اپنی آنکھوں سے جنت اور جہنم کے مناظر دیکھ رہے ہیں۔ جہنم کے ہول ناک مناظر دیکھ کر برادران وطن اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ آپ انصاف فرمانے والے اور ظلم کو سخت ناپسند فرمانے والے ہیں ہمارے ساتھ بھی انصاف فرمائیں۔ آخر ہمارا قصور کیا ہے؟ آپ ہمیں کیوں پکڑتے ہیں؟ ہم تو آنکھیں بند کر کے اپنے آبائی مذہب پر چلتے رہے۔ جن لوگوں کو آپ نے دین کی عظیم نعمت دی تھی ان کی زندگیوں کو دیکھ کر ہمیں اسلام سمجھ میں نہیں آیا۔ انھوں نے قولی اور عملی طور پر ہمیں اسلام کی دعوت نہیں دی۔ اگر وہ دعوت دیتے تو ہم ضرور اس پر غور کرتے۔ فرض کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کا عذر قبول فرمالیں اور مسلمانوں کی سخت باز پرس کریں تو کیا انجام ہوگا؟ اس کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ حالات، مسائل اور پریشانیاں مطالبہ کررہے ہیں اور زور لگا رہے ہیں کہ دعوت پیش کی جائے۔ اس کے عام ہونے کے نتیجے میں ہی حالات بدلنے شروع ہوں گے اور کوئی دوسری راہ اب باقی نہیں رہی۔ ایک اعتبار سے انسانیت بند گلی پر پہنچ چکی ہے۔ واحد راہِ نجات راہِ دعوت ہے۔

دعوتِ دین کے متعلق مسلمانوں کی غلط فہمیاں اور حقائق

غلط فہمیاں

دعوتِ دین کے متعلق خود مسلمانوں کے اندر بہت ساری غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ یہ غلط فہمیاں دعوتِ دین کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ ان کا ازالہ کرنا بہت ضروری ہے۔ پہلے ان غلط فہمیوں کو پیش کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد ان کی حقیقت بیان کی جائے گی۔ یہ غلط فہمیاں درج ذیل ہیں:

۱- مسلمانوں کی یہ ذمہ داری نہیں ہے

۲- پہلے اپنی اور مسلمانوں کی اصلاح وتربیت ضروری ہے۔ یہ ہوجانے کے بعد دعوت دی جاسکتی ہے۔

۳- مسلمانوں کی اصلاح وتربیت اگر ہوجائے تو دعوت کی ضرورت نہیں رہے گی۔ مسلمانوں کی اصلاح یافتہ زندگیوں کو دیکھ کر برادران وطن ایمان لے آئیں گے۔

۴- غیر مسلم مشرک یا کافر ہیں۔ یہ جہنم ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اس لیے جہنم خالی تو نہیں رہ سکتی۔ اس لیے دعوت دینے کا فائدہ کیا ہے؟

۵- دعوت دینے سے ہندو مسلم تعلقات میں خرابی کا اندیشہ ہے۔ فسادات بھی ہوسکتے ہیں۔

فی الحال ایسا کوئی کام خواہ دعوت ہی کیوں نہ ہو نہیں کرنا چاہیے جس سے حالات بگڑ جائیں۔

۶- غیر مسلموں کو قرآن مجید دینے سے اس کی بے حرمتی ہوگی۔

۷- اسلام ایک طرح سے مسلمانوں کا مذہب ہے دوسروں کے لیے دوسرے مذاہب ہیں۔ دعوت دینے سے خواہ مخواہ ایک سیکولر ملک میں مذہبی شدت پسندی پیدا ہوگی۔ یہ رواداری کے بھی خلاف ہے۔ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے) پر عمل کرنا چاہیے۔

۸- دعوت دینے کا فائدہ تو ہے اس کی وجہ سے مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ ہوگا اور پھر سے اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ آجائے گا۔

۹- جن کو دعوت دی جائے گی وہ تو ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ یہ ایک بے کار کام ہے۔ اس لیے دعوت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یہ اور اس طرح کی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں دعوت دین کے متعلق غلط طور پر مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان سب کا ازالہ ضروری ہے۔ ان غلط فہمیوں کی وجہ سے مسلمان ایک اہم دینی فریضہ سے غافل ہیں، بلکہ وہ دعوت دین کو فریضہ ہی نہیں سمجھتے۔ جب کہ قرآن وسنت کی روشنی میں مسلمانوں کا یہ ایک اہم اور بنیادی فریضہ ہے۔ اس کے دنیوی فائدے اور برکتیں ہیں۔ یہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی نصرتوں اور رحمتوں کا مستحق بناتا ہے۔ اس کے ساتھ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے ساتھ جنت کا حصول ہوگا۔

حقائق

ان غلط فہمیوں کے سلسلے میں سب سے پہلے اور بنیادی طور پر ان حقائق کو سامنے رکھنا ضروری ہے:

۱- قرآن مجید، سنت رسولؐ اور اسوۂ صحابہؓ کے اندر ان کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں ایسی غلط فہمیاں نہیں پائی جاتی تھیں۔ صحابہؓ نے بھی دعوت دین کے لیے مختلف ممالک کا سفر کیا اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے بھی ان کا یہی طریقہ تھا۔ صحابہ کرامؓ کی ہستیاں وہ مبارک ہستیاں

ہیں جن کو اس دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی سند قرآن کے اندر مل چکی تھی۔

۲- یہ غلط فہمیاں مسلمانوں کے دورِ زوال میں پیدا ہوئی ہیں۔ صحابہ کرامؓ، تابعین و تبع تابعین کے دور تک تو دعوت دین کے بغیر اسلام کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسی طرح اتباع رسولؐ کا کوئی تصور دعوت دین کے بغیر نہیں تھا۔

۳- ان غلط فہمیوں کی تردید کے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ صحابہؓ کے بعد تابعین، تبع تابعین اور اولیائے کرام وصوفیہ، تجّار اور بعض مسلم سلاطین نے فریضۂ دعوت کا کام بحسن وخوبی انجام دیا۔ اس کی پوری اور مکمل تاریخ موجود ہے۔ حتی کہ آرنلڈ نے اس موضوع پر Preaching of Islam جیسی جامع اور معرکہ آرا کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے دعوت دین کی ایک جامع تاریخ سامنے آجاتی ہے۔ اور اس بات کی مکمل تردید ہوتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔

۴- اگر گہرائی سے ان غلط فہمیوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دعوت دین کے کام سے مسلمانوں کو باز رکھنے اور اس کام کو نہ کرنے دینے کے لیے شیطان کے یہ حربے ہیں۔

ان غلط فہمیوں کی کوئی حقیقی بنیاد اور مضبوط دلائل نہیں ہیں۔ بعض تو محض خیالی اندیشے ہیں۔ حقیقت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اب تفصیل سے ان غلط فہمیوں کی اصل حقیقت بیان کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، تاکہ ہر ایک پر یہ حقیقت بالکل واضح ہوجائے۔

۱- مسلمانوں کی یہ ذمہ داری نہیں ہے، یا ان پر یہ فرض نہیں ہے۔ یہ غلط فہمی عام ہے۔

جس طرح مسلمان نماز، روزہ اور دیگر عبادات کو فرائض اور واجبات وغیرہ کی شکل میں تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا انکار گویا ایمان کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ اگر دعوت دین کی فرضیت اور اہمیت کو اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اکرمؐ کی احادیث اور مبارک اسوے (نمونۂ عمل) کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ غلط فہمی ان شاء اللہ دور ہوجائے گی۔

۲- دعوت دین کے لیے پہلے اپنی اور سب مسلمانوں کی اصلاح ضروری ہے۔ اس کام کی تکمیل کے بعد دعوت دین کا کام شروع کرنا چاہیے۔

دراصل جب تک مسلمان دعوت دین کا فریضہ ادا نہیں کریں گے اس وقت تک ان کی

مکمل اصلاح نہیں ہوگی۔ کیوں کہ یہ زندگی کی آخری سانس تک جاری رہنے والا ہمہ جہت عمل ہے۔کوئی مسلمان کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آج میری اصلاح مکمل ہوگئی ہے اب مجھے اپنی نہیں صرف دوسروں کی اصلاح کے لیے فارغ ہونا ہے۔

مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی اصلاح کے لیے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسے فرائض کے ساتھ اذکار، دعائیں، حقوق العباد کی ادائیگی وغیرہ ضروری ہیں۔ اسی طرح اصلاح ذات اور اصلاح معاشرہ کے لیے مذکورہ فرائض وواجبات کے ساتھ دعوت کا کام ضروری ہے۔

قرآن میں کوئی ایک آیت یا ذخیرۂ احادیث میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس میں کہا گیا ہو کہ جب تک اپنی اصلاح پوری طرح نہ ہوجائے دعوت دین سے باز رہو۔

۳– مسلمانوں کی اصلاح وتربیت اگر ہوجائے تو پھر اس کے بعد دعوت کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اصلاح یافتہ مسلمانوں کو دیکھ کر برادران وطن خود ایمان قبول کرلیں گے۔

یہ غلط فہمی قرآن، حدیث، سیرت رسولؐ اور دعوت کی تاریخ سے ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔آغاز دعوت کے بعد مکہ میں ۱۳ سال کے عرصے میں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں زبردست انقلاب آچکا تھا۔یعنی وہ اسلام کا مکمل اور بھرپور نمونہ بن گئے تھے۔ان کی سیرتوں، ان کے اخلاق اور ان کی زندگیوں میں کوئی خامی یا کمزوری تلاش کرنا ممکن نہیں تھا اور نہ ہے۔اس کے باوجود محض ان اصلاح یافتہ پاکیزہ ہستیوں کو دیکھ کر لوگ ایمان نہیں لائے، بلکہ دعوت دین کا کام مسلسل جاری رہا۔صحابہ کرامؓ نے انفرادی سطح پر دعوت کا کام کیا۔ان کی کوششوں سے افراد اور کبھی کبھی قبائل ایمان لے آئے۔ یہاں تک کہ ہجرت کا وقت آگیا۔مکہ میں بڑی تعداد صرف دین قبول کرنے سے انکار کرنے والوں ہی کی نہیں بلکہ بدترین مخالفت کرنے والوں کی تھی۔ جنگ بدر اور جنگ احد وغیرہ کی تاریخ پڑھیے تو حقیقت سامنے آجائے گی۔

۴– ہر غیر مسلم کافر اور مشرک ہے۔ان کو جہنم میں لازماً جانا ہے۔

مسلمان Non-Muslims کے لیے 'غیر مسلم' کی اصطلاح بالکل ترک کردیں۔ اس کے بجائے ان کو برادران وطن کہنا ہر لحاظ سے مناسب ہوگا۔

برادران وطن کے سامنے اسلام کا تعارف کرانا، ایمان کی دعوت دینا اور جہنم کے خوف ناک

عذاب سے آگاہ کرنا مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے۔اس طرح دعوت پیش کرنے کے بعد برادران وطن (مدعوئین) کیا رویہ اختیار کرتے ہیں، اسی کے اعتبار سے ان کے انجام کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو ہدایت نہیں دے سکتا صرف ذریعہ بن سکتا ہے۔

ہمارے ملک کے کروڑوں برادران وطن اپنے باپ دادا کے، یا اپنے آبائی مذہب پر عمل کرتے ہیں۔ان کے سامنے دین حق کا تعارف جس طرح ہونا چاہیے، نیز اس کے تنہا حق ہونے کی حجت جس طرح پوری کرنا چاہیے نہیں ہوسکی ہے۔

قرآن وحدیث کی تعلیمات سے اتنی بات تو بالکل واضح ہے کہ جو انسان سوچ سمجھ کر حق کا انکار کرتا ہے، کفر وشرک یا الحاد پر بغیر توبہ کیے مرتا ہے وہ آخرت کی زندگی میں جہنم کے عذاب سے دوچار ہوگا۔ ہر انسان کے لیے دو ہی ٹھکانے ہیں۔ایک جنت دوسرا جہنم۔لیکن جنت یا جہنم کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

۵ – دعوت دینے کی وجہ سے فسادات کا اندیشہ ہے۔ہندو مسلم تعلقات خراب ہوسکتے ہیں۔

یہ ایک بے بنیاد اندیشہ ہے۔آزادیِ ملک کے بعد تیس ہزار سے زیادہ فسادات ہوئے ہیں۔بعض فسادات تو ایک طرح سے مسلمانوں کی نسل کشی کی کوشش تھی۔سوال یہ ہے کہ مسلمانوں نے آزادی کے بعد دعوت دین کا کام برادران وطن میں کب کیا اور کہاں کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ دعوت دین مسلمانوں کے کسی مکتب فکر یا کسی مسلک میں نہیں رہا البتہ دو ایک دینی تنظیموں نے اس کو اپنا ایجنڈا قرار دے کر کام کیا۔مجموعی حیثیت سے دعوت دین کا کوئی خاص کام نہیں ہوا۔ فروری 2020 میں دہلی میں بہت بھیانک فساد ہوا۔اس فساد میں اور ماضی کے تمام فسادات میں اسلام اور اس کی دعوت کا ذرہ برابر کوئی تذکرہ نہیں پایا جاتا۔فسادات پر کمیشن بٹھائے گئے۔ ان کی رپورٹوں میں فسادات کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی مگر کسی رپورٹ میں یہ بات نہیں ملتی کہ دعوت کا کام کرنے کی وجہ سے فساد ہوا ہے۔ یہاں اس پر کوئی تفصیل غیر ضروری ہوگی کیوں کہ یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔

انبیاء کی دعوت کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ دعوت قبول کرنے والی

قوموں کو دنیوی کام یابی اور سربلندی اور شان وشوکت حاصل ہوئی۔ انکار کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا۔ غرض دعوت دین کی وجہ سے آزمائشیں آسکتی ہیں۔ ان کی نوعیت الگ ہے لیکن حالات خراب ہوجائیں، فساد ہوجائے اور تعلقات خراب ہوں، ان سب باتوں کا امکان کم ہے۔

کیا آج اسلاموفوبیا کا اہم ترین سبب دعوت دین سے غفلت نہیں ہے؟ غلط فہمیوں، بدگمانیوں، سماجی بگاڑ اور اخلاقی خرابیوں کا بنیادی سبب مسلمانوں کا دعوتِ دین سے غفلت اور لاپرواہی برتنا ہے۔

۶- غیر مسلموں کو قرآن مجید دینے سے اس کی بے حرمتی ہوگی۔ وہ ناپاک (نجس) ہیں اس لیے ان کو قرآن پاک نہیں دینا چاہیے۔

قرآن مجید برادران وطن کو دیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں علمائے کرام نے واضح رہ نمائی فرمائی ہے۔ البتہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو قرآن مجید دیتے ہوئے اس کا احترام کرنے۔ پاک صاف ہوکر مطالعہ کرنے کے لیے کہا جائے۔ اس سلسلے میں عملی مشاہدہ بتاتا ہے کہ عام طور سے برادران وطن قرآن مجید کا احترام کرتے ہیں۔

۷- اسلام مسلمانوں کا مذہب ہے۔ دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری کے لیے ضروری ہے کہ دعوت نہ دیں۔ کیوں کہ یہ مذہبی شدت پسندی ہے۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ پر عمل بہتر ہے۔

اسلام کی صحیح پوزیشن کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں سمجھ لینا ضروری ہے۔ اسلام مسلمانوں کا قومی یا نسلی مذہب نہیں ہے۔ اسلام کا بانی کوئی شخص نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام انسانوں کے لیے حضرت محمدؐ پر بھیجا گیا ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو تمام انسانوں کے لیے ہدایت اور رہ نمائی کی کتاب ہے۔ جو چیز تمام انسانوں کے لیے عام اور فلاح وبہبود اور اخروی نجات کے لیے ضروری ہے۔ اس میں شدت پسندی، سختی اور انتہا پسندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے کروڑوں ماننے والوں میں دس بیس لوگ اپنے مزاج کی وجہ سے شدت پسندی کے شکار ہوں تو اسے ان کی کمزوری سمجھنا چاہیے۔ رہی بات رواداری کی تو اس سلسلے میں رواداری کے حقیقی مفہوم سے واقف ہونا ضروری ہے۔

بلاشبہ ہمارا ملک ایک سیکولر ملک ہے۔ اس کے دستور دفعہ ۲۵ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ہر شخص کو کسی بھی مذہب وعقیدہ اختیار کرنے اور اس پر چلنے کی آزادی ہے۔ اتنا ہی نہیں وہ اس کی تبلیغ بھی کرسکتا ہے۔ اس کے لیے چند حدود طے ہیں جن کے اندر مذہب کی تبلیغ ہوسکتی ہے۔ ان حدود وقیود کے ساتھ کسی بھی مذہب کی تبلیغ مذہبی شدت پسندی کے دائرے میں نہیں آتی۔ رواداری کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ علم وبصیرت اور دلائل کی روشنی میں جس بات کو حق سمجھتے ہیں اس کو بیان نہ کریں۔ جس بات کو دلیل علم وعقل کی روشنی میں غلط سمجھتے ہیں تو اس کو بیان نہ کریں یعنی غلط نہ کہیں۔ رواداری کے لیے ضروری ہے کہ ہر انسان کو عقیدہ اور مذہب کے متعلق آزادی حاصل ہے۔ سب کا احترام ضروری ہے۔

۸ – دعوت دین کا فائدہ تو ہے کیوں کہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا تو پھر اقتدار حاصل ہوسکتا ہے۔

اس غلط فہمی کا تعلق دعوت دین کے اصل محرک، نیت اور جذبے سے ہے۔ دعوت دین کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ ہو۔ صرف خدا کے لیے ہو۔ اس کی خوشنودی کے سوا کوئی اور محرک اور جذبہ اس میں شامل نہ ہو۔ دعوت کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں تک ہدایت اور رہ نمائی پہنچے۔ وہ اپنی پسند اور آزادانہ فیصلے سے اسے قبول کرکے آخرت میں جہنم کے عذاب سے بچ جائیں۔ دعوت دین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے بجائے اقتدار، مال ودولت، شہرت یا کوئی دوسرا جذبہ اگر کارفرما ہے تو یقیناً وہ ناجائز اور بالکل غلط ہے۔

۹ – جن کو دعوت دی جارہی ہے وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ یہ ایک بے کار کام ہوگا اس لیے بہتر یہ ہے کہ دعوت کا کام نہ کیا جائے۔

دعوت دین کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے داعیوں پر صرف یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ پورے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اس کی ہدایت اور رہ نمائی کو اس کے بندوں تک بہترین طریقے سے پہنچائیں۔ داعیوں کی عملی زندگی، سیرت وکردار اور اخلاق ان کی دعوت کا عملی نمونہ ہو۔ داعی حضرات اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کی بے لوث خدمت کریں اور ان کے حق میں قبول دعوت کی دعا کریں۔ یہاں پر داعیوں کی ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے۔ داعیوں نے اپنا فرض منصبی ادا کردیا۔

آخرت میں باز پرس اس کی ہوگی۔اس کے بعد قبول حق کے فیصلے آسمان سے ہوتے ہیں اس میں داعی کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ہے۔

اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جو بہت اہم ہے۔وہ یہ کہ دعوت کا کام جب بھی کیا گیا ہے اس کے نتائج حوصلہ بخشنے والے ہیں۔ ہر جگہ کچھ نہ کچھ لوگوں نے قبول حق کی سعادت حاصل کی ہے۔غرض یہ کہ دعوت دین کا کام کبھی بے کار نہیں جائے گا۔داعی ہر حال میں کام یاب ہے۔

انبیاء کی دعوتی تاریخوں میں یہ تذکرہ بھی ملتا ہے کہ ان کی دعوتی کوششوں کے نتیجے میں بستیوں کے اندر مٹھی بھر لوگ ایمان لائے اور بعض انبیاء کے ساتھ یہ ہوا کہ پوری آبادی مخالف ہوگئی اور نبیوں میں سے کسی کو اندھے کنویں میں الٹا لٹکا دیا گیا یا کسی کو شہید کر دیا گیا۔ یہاں قرآن کا اعلان ہے کہ ناکام دعوت حق اور وہ انبیاء نہیں ہوئے بلکہ وہ ناکام ہوئے جو ان پر ایمان نہیں لائے۔

مدعوئین کے متعلق مسلمانوں کی غلط فہمیاں اور حقائق

مدعوئین سے مراد وہ برادران وطن ہیں جو دعوت دین سے ناواقف ہیں۔ ناواقف اس لیے ہیں کہ مسلمانوں نے (جو کہ اصلاً داعی ہیں) ان تک دین کا پیغام نہیں پہنچایا۔ تھوڑی سی ذمہ داری مدعوئین کی بھی ہے۔ ملک میں مسلمانوں کی موجودہ آبادی کا ۹۰ فیصد سے زائد یہاں کی قدیم آبادیوں کے قبول حق کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کی تعداد اس دور میں خواہ کتنی بھی رہی ہو وہ باہر سے نہیں آئی تھی۔ اس دور میں صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کی دعوتی سرگرمیوں کا نتیجہ تھا کہ یہاں کی آبادی نے دین قبول کر لیا۔ یوں تو ہر دور میں دعوت کا کام اس ملک میں ہوتا رہا۔ خاص طور پر اولیائے کرام اور صوفیہ عظام نے ایک طویل عرصے میں عملی دعوت دی۔ ان بزرگوں نے اسلامی اخلاق و کردار، حسن سلوک، انسانی برابری اور خدمت کے ذریعہ یہاں کے ہر طبقے کی آبادی کے دلوں میں جگہ بنالی۔ ۱۸۵۷ کی پہلی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانوں پر جو قیامت ڈھائی گئی اس میں دعوت کا کام ترجیحات میں پیچھے چلا گیا۔ ملک کی آزادی کے بعد مسلمان نئے مسائل، چیلنجز اور حالات سے دوچار ہو گئے۔ دعوت کا کام کچھ نہ کچھ ہوتا رہا لیکن مسلمانوں کی اکثریت کی توجہ اس کی طرف نہیں ہو سکی۔ ملک کی آزادی کے بعد مسلسل فسادات کا سلسلہ اور بعض بھیانک واقعات ہوتے رہے۔ مسلم قیادت کے سامنے بھی ملت کے وجود و بقا اور اس کی دینی شناخت کی حفاظت سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ مسلمان سمجھ نہیں سکے کہ ان کے وجود و بقا کو

تو خود اللہ تعالیٰ نے ان کے فرض منصبی اور حقیقی مشن سے جوڑ دیا ہے۔ مسلمانوں کا فرض منصبی اور حقیقی مشن ہمیشہ سے فریضۂ دعوت دین رہا ہے۔ مسلمانوں اور برادران وطن کے درمیان تقسیم ہند کو لے کر چند عناصر نے دوری پیدا کرنے میں کام یابی حاصل کی اور فسادات کا دور چلتا رہا۔

اس کی وجہ سے سماجی دوری، شکوک وشبہات اور بے اعتمادی کا ماحول دونوں آبادیوں کے درمیان حائل ہوگیا۔ برادران وطن (غیر مسلمین) کے کافر اور مشرک ہونے کو مذہبی نقطۂ نظر سے قبول عام سا حاصل ہوا، اگر چہ یہ پوری طرح صحیح سے نہیں تھا لیکن مسلمانوں نے اس بات کو بالعموم تسلیم کرلیا۔ برادران وطن کی اصطلاح پچھلے چند برسوں سے عام ہوئی ہے۔ مسلمانوں میں عام طور پر مانا جاتا تھا کہ ان کے علاوہ پوری آبادی کافر اور مشرک ہے۔ عقیدہ کے اعتبار سے وہ نجس ہیں۔ وہ الگ قوم ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہو ہی نہیں سکتا۔ آزادی کے بعد مسلمانوں کا رول سیاست میں جیسے جیسے بڑھتا گیا دونوں کے درمیان سیاسی کشمکش اور حریفانہ وقوم پرستانہ رنگ چڑھتا گیا۔ مسلمانوں کے حقوق اور مطالبات کی بات زور وشور سے ہوتی رہی۔ اگر چہ دستور ہند کے اعتبار سے مسلمان ایک مذہبی اقلیتی گروہ ہونے کی بنا پر تحفظات حقوق سے مالا مال تھی لیکن عملی دنیا الگ تھی۔

آزادی کو ۷۴ سال سے زائد گزر چکے ہیں لیکن حالات میں کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوا۔ البتہ مسلمانوں میں دعوتی جذبہ بیدار ہوا ہے اور دعوتی سرگرمیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ برادران وطن کا اب تک کا ردعمل مثبت ہے۔ اس کے ساتھ اسلاموفوبیا کی مہم میں تیزی اور شدت پیدا ہوئی ہے۔ اس کے زہریلے اثرات دونوں بڑی آبادیوں کے درمیان تناؤ، کشیدگی، نفرت اور ظلم وتشدد میں مسلسل اضافہ کی شکل میں نظر آرہا ہے۔

برادران وطن آج ملک میں تقریباً ۱۲۰ کروڑ کی تعداد میں ہیں۔ اتنی بڑی آبادی مختلف مذاہب، کلچر، زبانوں اور رسوم ورواج کی حامل ہے۔ اتنی بڑی آبادی سے مسلمانوں کے بہترین تعلقات ہونے چاہیے تھے لیکن ایسا نہیں ہوسکا ہے۔ اس کے اسباب پر گفتگو کا یہ موقع نہیں ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں مسلمانوں کا برادران وطن (مدعوئین) کے ساتھ ایک

خاص رشتہ بنتا ہے۔

- دونوں ایک خدا کے بندے ہیں۔
- ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔
- ایک ملک کے باشندے ہیں۔
- اہل مذاہب میں سے ہیں۔
- ملک بھر میں مسلمان پھیلے ہوئے ہیں اس لیے وہ برادران وطن کے کہیں پڑوسی، کہیں کرایہ دار، مالک، ملازم، کاشت کار، ڈاکٹر، مریض، طالب علم اور استاد ہیں۔

رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ نے اس سلسلے میں بہترین نمونہ پیش کیا ہے کہ ایک کثیر مذہبی معاشرے (Plural Society) میں دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ مل کر کیسے رہنا چاہیے۔ آپس کے تعلقات کس طرح کے ہوں۔ سماجی رشتے کیسے قائم کیے جائیں۔ ان کے انسانی حقوق کیسے ادا کیے جائیں؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ برادران وطن کی اکثریت اچھے انسانوں پر مشتمل ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہندوستانی سماج بڑی تیزی سے اخلاقی اور سماجی بگاڑ کا شکار ہو رہا ہے۔

آج کسی بھی پہلو سے آپ غور کریں تو اس حقیقت پر مطمئن ہو جائیں گے کہ مسلمانوں کو آگے بڑھ کر تعلقات بحال کرنا ضروری ہے۔ مسلمان برادران وطن کے انسانی حقوق ادا کرتے ہوئے ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ ان کی بے لوث خدمت کریں۔ محبت اور بھائی چارہ کا برتاؤ کریں۔ دوسری طرف برادران وطن کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ہی ملک کی مسلم برادری کو حریف، ملک دشمن اور مخالف نہ سمجھیں۔ مسلمانوں کی آبادی کے لیے ہمدردی، انسانی اخوت اور خیر وفلاح کے تعلقات پروان چڑھائیں۔ مسلمانوں کو اپنا اور ملک کا خیر خواہ سمجھیں۔

ایک اہم غلط فہمی

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ایک سیکولر ملک میں مسلمانوں کو دعوت کا کام کرنے کے بجائے سیکولرزم کے اصولوں پر کاربند رہ کر ملک کی تعمیر وترقی میں دل چسپی لینا چاہیے۔

سیاسی اعتبار سے مسلمان کسی بھی سیکولر سیاسی پارٹی میں رہے، مسلمانوں کے مفاد کو ملحوظ رکھے، ملک کے لیے بھی کام کرے اور مذہب کو انفرادی زندگی کے محدود دائرے میں برتے لیکن اجتماعی زندگی اور خاص طور پر سیاست میں اسلام کی بات نہ کرے۔ دوسرے مذاہب کے ماننے والے اپنے اپنے مذاہب پر عمل کرتے ہیں یہ بھی صحیح ہے۔ ان کے لیے ان کا مذہب ہے اور مسلمانوں کے لیے ان کا مذہب یا دین ہے۔ مسلمانوں میں سیکولرسٹ اور نیشنلسٹ حضرات کی سوچ یہی ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک ہندوستان ایک جمہوری سیکولر ملک ہے۔ دستور ہند نے بہت سے حقوق دیے ہیں۔ دیگر اقلیتوں کو بھی حقوق اور دستوری ضمانتیں حاصل ہیں۔ مسلمان ایک قوم کے طور پر ملک میں رہیں لیکن کسی علیٰحدہ مذہبی شناخت پر زیادہ اصرار نہ کریں۔ مساجد، قبرستان، درگاہیں، دینی مدارس اور عیدگاہیں ان کی مذہبی تسلی کے لیے کافی ہیں۔ انھیں اس ملک میں دعوت کا کام کرنے، یا کسی اسلامی تبدیلی بلکہ اسلام کو نظام حیات کے طور پر پیش کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اس ملک کا دستور اور سیکولرزم ایک بہترین نظریہ اور طرزِ زندگی ہے۔ گنگا جمنی تہذیب ہی اس ملک کی اصل شناخت ہے۔ مسلمانوں کی ذمہ داری اس کی حفاظت اور ترقی کی ہے۔ مسلمانوں کے لیے اس کے سائے میں زندگی بسر کرنا بڑی کامیابی کا سودا ہے۔ مذہبی شدت پسندی مناسب نہیں ہے۔ یہ اور اس طرح کی رائے رکھنے والے، مشورے دینے والے اور اس کے لیے کوشش کرنے والے حضرات دستور ہند، اس کی اصل اسپرٹ اور سیکولرزم کے صحیح تصور اور تقاضوں سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ ان حضرات کی آرا ملت کی خیرخواہی، جذبۂ اخلاص اور ملکی مفاد کے لیے ہیں۔

دراصل دستور ہند نے مذہبی اقلیتوں کے حقوق اور تحفظات کا بہت لحاظ رکھا ہے۔ یہ بڑا عجیب معاملہ ہے کہ ملک میں کمیونسٹ نظریہ اور نظام کے داعی، گھر واپسی کے قائدین اور اس کے لیے سرگرم کارکن اور الحاد کے علم بردار بھی ہیں حتیٰ کہ ہم جنسیت کی تحریک چلائی جاسکتی ہے۔ بس ایک یہ دعوت کہ اللہ کے بندو! اسی کی بندگی اختیار کرکے دنیوی فلاح و کامرانی اور اخروی نجات پالو، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ شیطان کے جال میں نہ پھنسو۔ سب کا خدا ایک اللہ ہے اور اس کا کوئی شریک کسی بھی حیثیت میں نہیں ہے۔ یہی تمہارے لیے صحیح راہ ہے۔ کیا اس پیغام

انسانیت اور پیغامِ امن وسلامتی کو عام کرنے کی اجازت نہیں ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس دعوت عام کو پرامن، اخلاقی اصولوں اور تعمیری طریقوں سے اہل ملک کے سامنے پیش کرنے کی نہ صرف اجازت بلکہ بنیادی حق دستور دیتا ہے۔ دعوت کے کام میں دھوکہ وفریب، لالچ، دھونس دھاندلی اور جبر وطاقت بالکل منع ہے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ عقیدہ ومذہب کی آزادی اور اختیار کے اس حق کو پارلیمنٹ کسی ترمیم کے ذریعہ ختم نہیں کرسکتی۔ سیکولرزم کا مطلب لامذہبیت نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوگا اور ریاست مذہب کی بنیاد پر شہریوں کے درمیان امتیاز نہیں برتے گی۔

اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ برادران وطن کے اندر دعوت اور داعی معروف اور عام نہیں ہیں۔ اگر وہ دعوت اور داعی سے واقف ہوتے تو ان کے متعلق ان کی کوئی رائے ہوتی۔ لیکن اب تک مسلمانوں کی شناخت داعی کی اس ملک میں نہیں بنی ہے۔

مسلمانوں کے متعلق برادرانِ وطن کی غلط فہمیاں

آزادیِ ملک کے بعد غلط پروپیگنڈے کی وجہ سے مسلمانوں کے بارے میں درج ذیل غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں:

۱- مسلمان باہری ملک یا ملکوں سے آئے ہوئے ہیں۔ ایک طرح سے لٹیرے ہیں اور حملہ آور کہے جاسکتے ہیں۔

۲- مسلمان بادشاہوں نے مندروں کو ڈھا کر مسجدیں تعمیر کرائیں۔ زبردستی تلوار کے زور پر اسلام قبول کرایا۔

۳- مسلمانوں نے ملک کی تقسیم کی ہے۔ بھارت ماتا کے ٹکڑے کردیے ہیں۔

۴- مسلمان دہشت گرد ہیں۔

۵- مسلمان کئی شادیاں کرکے بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے ذریعہ اپنی آبادی میں لگاتار اضافہ کرتے چلے جارہے ہیں۔

۶- مسلمان اس ملک کے وفادار نہیں ہیں۔ اس ملک کے مسائل سے ان کو کوئی دل

چسپی نہیں ہے۔اس ملک میں وہ رہتے ہیں لیکن ان کے دل کہیں اور لگے ہوئے ہیں۔

برادران وطن کے مسلمانوں کے بارے میں ان خیالات یا غلط فہمیوں پر کوئی تبصرہ نہیں کیا جارہا ہے۔عام طور سے لوگ ان باتوں کا علم رکھتے ہیں۔اسلاموفوبیا کی مہم مسلسل چلائی جارہی ہے۔جو دیکھتے ہی دیکھتے برادران وطن کی بڑی تعداد کے ذہنوں کو زہر آلود کررہی ہے۔ اگر اس کا تدارک نہیں کیا جائے گا تو مسلمانوں کے خلاف غم وغصہ بڑھتا جائے گا اور کسی وقت لاوا بن کر پھٹ جائے گا۔ظاہر ہے اس کا نتیجہ بڑے پیمانے پر جان ومال کی تباہی کی شکل میں سامنے آئے گا۔

ایک خیال یہ ہے کہ دعوتی کاموں کے نتیجے میں مسلمانوں کی شناخت دعوت کے حوالے سے بن جائے اور وہ داعی جانے جائیں۔اس وقت کیا مسائل ہوسکتے ہیں؟ اس پر قیاس آرائی کرنے اور گمان کی بنیاد پر دور کی باتیں سوچنے کے بجائے اس اہم حقیقت کو سامنے رکھنا چاہیے کہ داعی اور مدعو کے درمیان اگر دعوت کی وجہ سے کشمکش پیدا ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید داعی گروہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

یہ غلط فہمیاں مضبوط دلائل اور پختہ بنیادوں پر نہیں قائم ہیں۔مسلمانوں کی جانب سے دعوتی کاموں کے نتیجے میں یہ خود بخود ختم ہوجائیں گی۔دعوتی کام کے لیے جب آپ برادران وطن سے ملاقاتوں اور تعلقات کا سلسلہ شروع کریں گے تو تمام غلط فہمیاں دور ہوجائیں گی۔ ملاقاتوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دانشور برادران وطن نے راقم کو بتایا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار تھے۔لیکن مسلمانوں سے ملاقات اور بات چیت کے بعد غلط فہمیاں دور ہوگئیں۔اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات قائم ہوگئے۔ اس کا ایک اہم اور قیمتی نتیجہ فرقہ پرست اور فسطائی ذہنیت کی شکست ہے۔آخر میں اس کا سب سے بڑا فائدہ پورے ملک کے لیے ہے۔

دعوت کا انفرادی منصوبہ

دعوت دین ایک ایسا فریضہ ہے جو ہر مسلمان کو انفرادی طور پر اور تمام مسلمانوں کو اجتماعی طور پر ادا کرنا ہے۔ ہمارے ملک میں جب تک مسلمانوں کی بڑی تعداد یا سب مسلمان مل جل کر اجتماعی طور پر دعوت کا کام نہیں کریں گے اس فریضے کی ادائیگی اور اس کا حق ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہر مسلمان مرد وعورت جس قدر جلد داعی بن کر اس فریضے کے لیے کھڑے ہوں گے اسی قدر دعوت کی برکتوں، خیر وخوبی اور فائدوں کا مشاہدہ کریں گے۔ راہِ دعوت کی ایک اہم کوشش یہ بھی ہے کہ ہر مسلمان دعوت کا انفرادی منصوبہ بنا کر کام کرے۔

ہر فرد دعوت کی فرضیت، اہمیت اور فضیلت کو اچھی طرح قلب وذہن میں بٹھالے۔ مسلمان کی زندگی کا یہ خدائی مشن ہے۔ خدا کی رضا اور خوشنودی کو پانے کا یہ سب سے زیادہ موثر اور طاقت ور راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو داعی بنایا ہے۔ اس کام کو کرنے کا پختہ ارادہ اور نیت کرے۔ یقین رکھے کہ اس کام کو کرنے کی صلاحیت اور قابلیت اس نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ اس کام کو روزمرہ زندگی میں فطری انداز میں انجام دینا ہے۔ اس کے لیے کوئی مصنوعی طریقہ سودمند نہیں ہے۔ راہِ دعوت میں اصل ذمہ داری کام کرنے اور مسلسل کرتے رہنے کی ہے۔ اس کے نتائج خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ زیادہ سے زیادہ کام کے ساتھ دعا کریں۔ اگر آپ کسی ایک برادر وطن کے قبولِ حق کا ذریعہ بنتے ہیں تو یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ یہ بہت بڑی دولت ہے جو خدا کے فضل سے آپ کو حاصل ہوئی ہے۔

ملک کے موجودہ سنگین حالات میں جب کہ اسلاموفوبیا کی مہم برادران وطن کے

مردوں اور عورتوں سب کو متاثر اور ان کے صاف ذہنوں کو زہر آلود کر رہی ہے خاموش بیٹھنا اپنی ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔اس کے مقابلے میں مثبت طور پر دعوت پیش کرنے کے مواقع ہیں۔ حالات اتنے خراب ہیں کہ روزمرہ کی زندگی میں مسلمان، اقلیتی اور کمزور طبقات، اکثریت کے مٹھی بھر فرقہ پرستوں کی جانب سے نفرت، تعصب اور ظلم وتشدد بھرا رویہ جھیل رہے ہیں۔اس کے باوجود دعوت پیش کرنے کے مواقع کم نہیں ہوئے ہیں۔دعوت سے متاثر ہونے والوں کی تعداد بھی برابر بڑھ رہی ہے۔اپنے رویہ اور طرزِ عمل کی اصلاح کرنے والے بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ ایسی صورت حال سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔اگر مسلمان غفلت، لاپرواہی اور عدم توجہی کا رویہ اختیار کرتے ہیں تو خدا کے سامنے پیش کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا۔

انفرادی اور اجتماعی دعوت کے کام میں مشکلات اور موانع کم سے کم ہیں۔اس کے آداب اور شرائط کو ملحوظ رکھ کر کوشش کی جائے تو پہلے قدم سے آخری قدم تک کوئی ناکامی نہیں ہے۔ اس کام میں شیطان اور نفس کے حیلوں اور بہانوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔مثلاً آپ یہ سوچیں کہ میرے اندر صلاحیت نہیں ہے۔مجھے زبان نہیں آتی ہے۔میرے پاس فرصت بالکل نہیں ہے۔ یہ اور اس طرح کے حیلوں اور بہانوں سے خدا کی پناہ مانگیں۔

ہر مسلمان انفرادی حیثیت میں بھی اس کام کی غیر معمولی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر ایک ہلکا پھلکا اور مختصر دعوتی کام کا منصوبہ بنالے اور اس پر عمل کرے۔کیوں کہ منصوبہ بندی کی بڑی اہمیت ہے۔یہ دنیا میں کامیاب انسانوں کی امتیازی خصوصیت ہے۔ناکام انسانوں کی کمزوری ہے، بغیر کسی منصوبے کے کام کرتے رہنا۔منصوبہ بندی دراصل کسی کام کی کامیابی کے لیے خاکہ ترتیب دینا ہے۔ہر مسلمان مرد اور عورت اپنے دعوتی کاموں کے لیے منصوبہ بنائے اور کام کرے تو ملک کے اندر مسلمانوں کی بڑی تعداد داعی بن جائے گی۔آپ تصور کریں کہ اس کے کتنے زبردست نتائج سامنے آئیں گے۔ملک کا ایک ایسا مستقبل کا ماحول جس کا کوئی تصور نہیں کرسکتا۔امن وامان، بھائی چارہ، انسانیت، اسلام اور مسلمانوں کے متعلق غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کا خاتمہ۔دونوں (داعی اور مدعو) کے درمیان خوشگوار تعلقات، حریفانہ کشمکش کا خاتمہ، ایک دوسرے کے لیے دشمنی، رقابت اور نفرت کے جذبات کا خاتمہ وغیرہ۔آج کے اسلاموفوبیا کے حالات

اوراثرات ونتائج کو دیکھتے ہوئے مستقبل قریب کی یہ دعوتی کام یابیاں معمولی نہیں ہیں۔

ذیل میں انفرادی دعوت کی منصوبہ بندی کے لیے کچھ مشورے دیے جارہے ہیں۔اس کی روشنی میں آپ اپنا منصوبہ بنالیں اور بلا تاخیر دعوتی کام کا آغاز کردیں۔

۱-آپ کے تعارف کے دائرے میں جو برادران وطن ہیں ان میں سے صرف دو تین لوگوں کو آپ اپنے منصوبے میں شامل کریں۔یعنی آپ کو ان پر دعوتی کام کرنا ہے۔اگر آپ کے جان پہچان یا حلقۂ احباب میں کوئی برادرِ وطن نہیں ہے تو اپنے محلہ یا کام کرنے کی جگہ سے دو تین برادران وطن کو منصوبے میں شامل کریں۔یقین رکھیں کہ آپ سے ملاقات، دوستی اور بات چیت کے سلسلے کو وہ پسند کریں گے اور خوش ہوں گے۔

۲-ان دو تین لوگوں میں سے کچھ دنوں بعد جو آپ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں ان کی فیملی کو آپ منصوبے میں شامل کریں۔یعنی آئندہ آپ ان سے تنہا ملاقات نہ کریں۔اپنی فیملی کے ساتھ ان کے پاس جائیں اور ان کو اپنے گھر بلائیں۔آپ کے لیے ضروری ہوگا کہ اپنی فیملی کو ان کے گھر جانے اور ان سے ملاقات وبات چیت کا مقصد اچھی طرح پہلے ہی سمجھادیں۔

۳-آپ کی بھرپور کوشش ہونی چاہیے کہ آپ کے اہل خانہ (بیوی، بچے، بچیاں، بہو، داماد) وغیرہ سب داعی بنیں۔ان کے اندر دعوتی جذبہ پیدا کریں۔ان کو قرآن کی آیات، احادیث اور صحابہؓ کے دعوتی واقعات سنائیں۔دعوت کا کام کرنے والی اجتماعی کوششوں میں ان کو شریک کریں۔دعوت کے موضوع پر ان کو منتخب کتابوں کا مطالعہ کرائیں۔

۴-اگر آپ برادران وطن کی زبان جانتے ہیں تو بہت اچھا ہے۔اگر نہیں جانتے ہیں تو ان کی زبان سیکھنے کی کوشش کریں۔آج کل اس کے لیے کافی سہولتیں سرکاری وغیر سرکاری اداروں کی طرف سے دی جاتی ہیں۔ان کی زبان سیکھنے میں کوئی مشکل پیش آرہی ہے تو ۴۰، ۵۰ دینی اصطلاحات ان کی زبان میں یاد کرلیں۔مثلاً: پیغمبر، آخرت، دوزخ، جنت، قبر، عذاب، ملائکہ اور وحی وغیرہ۔

۵-ان کا آپ کے گھر فیملی کے ساتھ آنے اور آپ کا ان کے پاس فیملی کے ساتھ جانے کا سلسلہ صرف ملاقات اور بات چیت تک محدود نہ رہے۔آپ ان کے گھریلو مسائل میں

دل چسپی لیں۔ان کے خوشی اور غم کے واقعات کو شیئر کریں۔ان کے لیے دعا کریں۔وہ بیمار ہوں تو مزاج پرسی کریں۔ان کو احساس دلائیں کہ آپ ان کے خیر خواہ ہیں۔ان سے محبت کرتے ہیں اور صرف بھلائی چاہتے ہیں۔ان کی مذہبی رسوم ورواج اور تہواروں کے پوجا وغیرہ کے مواقع پر نہ جائیں البتہ بعد میں جاسکتے ہیں۔اس طرح کے مواقع پر شریعت کی یہ اصولی رہ نمائی یاد رکھیں کہ کسی بھی مشرکانہ رسوم میں حصہ نہیں لیا جاسکتا اور کسی غیر اخلاقی سرگرمی میں شرکت نہیں کی جاسکتی۔ شراب، ڈانس پارٹی اور مخلوط مجلسوں میں شرکت سے بچنا چاہیے۔صحابہ کرامؓ کی زندگیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل کتاب اور کفار ومشرکین کے گھروں میں آتے جاتے تھے اور ان کے کھانے پینے (حلال) میں شریک ہوتے۔ان کے مسائل میں دل چسپی لیتے۔خوشگوار تعلقات برقرار رکھتے۔

۶-عیدین کے موقع پر اور آپ کے گھر میں کوئی تقریب ہورہی ہو تو ان کو فیملی کے ساتھ دعوت دیں۔اس طرح کوئی دعوتی پروگرام ہو تو اس میں بھی ان کو فیملی کے ساتھ دعوت دیں اور شریک کرائیں۔

۷-ان کی آمادگی اور خوشی سے نماز باجماعت یا جمعہ یا عیدین میں اپنے ساتھ لے کر نماز پڑھیں۔اس منظر کو وہ آنکھوں سے دیکھیں۔رمضان کا روزہ رکھوا سکتے ہیں۔ان کی فیملی روزہ رکھ لے تو اپنے گھر میں افطاری کی دعوت دی جاسکتی ہے۔نکاح کی مجلس میں ان کے پورے خاندان کو شریک کریں۔میت کی تدفین کے موقع پر قبرستان لے جائیں۔

۸-آپ کے پاس برادران وطن کو دینے کے لیے مختصر کتابیں اور دیدہ زیب فولڈرس ہمیشہ ہونے چاہییں۔اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ مطالعہ کے لیے ان کو جو چیز بھی دیں اس کا مطالعہ آپ پہلے کر چکے ہوں۔ دوسری اہم بات یہ کہ مطالعہ کے بعد اس پر گفتگو ضرور کرنی چاہیے۔اگر ان کے سوالات ہوں تو معلوم کر کے جوابات دینا چاہیے۔

۹-سوشل میڈیا آپ جانتے ہوں گے۔اس کے کسی پلیٹ فارم کے ذریعہ عام دعوت کا کام آپ ضرور کریں۔حکمت اور داعیانہ دردمندی کے ساتھ اسلاموفوبیا کا مثبت طور پر مقابلہ کرنا وقت کی ضرورت ہے۔اس میں بہت زیادہ احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔کسی مذہبی شخصیت،

تصورات اور عبادت گاہ کی تحقیر اور توہین کا انداز نہ اختیار کریں۔

۱۰-قرآن ہدایت کے ساتھ کتاب دعوت بھی ہے۔اس میں دعوت دین کے رہ نما اصول، ہدایات، واقعات، انبیاء کی دعوتی سرگرمیوں کی تفصیل ہے۔قرآن سے آپ کا بہت گہرا تعلق ہونا چاہیے۔قرآن مجید ترجمہ وتفسیر سے روزانہ مطالعہ کریں، اس میں غور وتدبر کریں۔کچھ سورتیں اور منتخب آیات حفظ کرلیں۔روزانہ قرآن مجید کے ساتھ احادیث رسولؐ کا مطالعہ ضرور کریں۔پھر سیرت رسولؐ وصحابہؓ اور صالح دینی لٹریچر کا مطالعہ ضروری ہے۔

عصر حاضر کے افکار ونظریات، روزمرہ کے واقعات، حادثات اور تبدیلیوں سے ہر داعی کو واقف ہونا ضروری ہے۔تاکہ آپ برادران وطن کو سمجھا سکیں کہ اسلام کا معاشی نظام کیا ہے؟ سود، جوا اور سٹہ وغیرہ کیوں حرام ہے؟ زکوۃ فرض عبادت ہونے کے ساتھ ساتھ معاشی فائدے بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔غرض اسی طرح اسلام کے خاندانی نظام، سیاسی نظام، اخلاقی وروحانی نظام کے اصول اور برکات آپ ان کو سمجھائیں۔

دعوت کیسے دیں؟

اس عنوان کے تحت دعوت دین کے آسان طریقے بتائے جائیں گے۔ یہ طریقے اور پروگرام کوئی حتمی اور آخری چیز نہیں ہیں۔ وقت اور حالات کی مناسبت سے ان کے علاوہ مزید بہتر اور عمدہ طریقے آپ اختیار سکتے ہیں۔

دعوت دین دراصل اللہ تعالیٰ سے بھٹکے ہوئے بندوں کو اس سے جوڑنے اور اس کی طرف بلانے، لانے اور پکارنے کا کام ہے۔ روئے زمین پر شیطان کو سب سے بڑھ کر اسی کام سے نفرت ہے۔ دعوت دین کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہی ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ یہ کام کرنے والے لوگ آگے بڑھیں۔ وہ ہزار رکاوٹیں پیدا کر کے اس کام سے لوگوں کو باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یاد کریں کہ جب اس نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اس کی نافرمانی اور بغاوت کھل کر سامنے آ گئی نیز حضرت آدمؑ سے اس کی نفرت اور دشمنی بھی ظاہر ہو گئی تو اس نے ایک چیلنج دیا۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ (الاعراف: ۱۲۔۱۷)

''(اللہ نے) پوچھا: کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا؟ بولا: میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے۔ فرمایا: اچھا تو یہاں سے نیچے اتر، تجھے حق نہیں ہے کہ یہاں بڑائی کا گھمنڈ کرے۔ نکل جا کہ درحقیقت تو ان لوگوں میں سے ہے جو خود اپنی ذلت چاہتے ہیں۔ بولا: مجھے اس دن تک مہلت دے جب کہ یہ سب دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا: تجھے مہلت ہے۔ بولا: اچھا جس طرح تو نے مجھے گم راہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا۔ آگے اور پیچھے دائیں اور بائیں ہر طرف سے ان کو گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔''

قرآن کتاب ہدایت ہونے کے ساتھ ساتھ کتاب دعوت بھی ہے۔ قرآن مجید میں دعوت کیسے دیں؟ اس سوال کے سلسلے میں اصولی رہ نمائی کی گئی ہے۔ اس کی مزید تفصیل رسول اکرمؐ کی مبارک زندگی میں ملتی ہے۔ واضح رہے کہ دعوت پیش کرنے کا کوئی ایک ماڈل یا نمونہ نہیں بتایا گیا بلکہ اصولی رہ نمائی اس طرح کی گئی ہے کہ ہر دور اور ہر طرح کے حالات کے لیے کافی ہے۔ اس کی ضمنی، ذیلی اور جزوی تفصیلات حالات اور وقت کے لحاظ سے وضع کی جاسکتی ہیں۔

چنانچہ مسلمانوں میں ایک تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو دعوت دین کی ذمہ داری کو تسلیم کرتے ہیں، اس فریضہ کا انکار نہیں کرتے اور اس کے متعلق غلط فہمیوں کا شکار بھی نہیں ہیں۔ لیکن میدان میں وہ داعی بن کر کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ مختلف خیالی اندیشوں اور بے بنیاد خدشات کا شکار ہیں۔ دعوت دین کے لیے صرف علمی، فکری اور نظریاتی یکسوئی کافی نہیں ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی اسی وقت ممکن ہے جب داعی میدان میں اترتا ہے اور برادران وطن سے انفرادی اور خاندانی سطح پر ملاقاتوں کے ذریعہ تعلقات قائم کرتا ہے۔ اسلاموفوبیا کے اس ماحول میں مسلمانوں کا برادران وطن کے خاندان اور سماج سے قربت اور تعلقات قائم کرنا ضروری ہے۔ اگر دوری اور خلیج جو پہلے سے پائی جاتی ہے ختم نہ ہو بلکہ بڑھتی جائے تو دعوت دین کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ دعوت دین کا کچھ نہ کچھ کام کتابوں اور فولڈرس کی تقسیم کے ذریعہ ضرور ہوگا۔ اسی طرح کچھ کام تقریروں، عوامی درس قرآن، سیرت رسولؐ کے جلسوں اور عید ملن وغیرہ

پروگراموں کے ذریعہ بھی ہوگا۔لیکن اس سے آگے بڑھ کر دعوت دین کی حجت پوری کرنے اور دعوت کا حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ برادران وطن کے خاندان اور سماج سے قریبی تعلق اور رشتہ قائم کیا جائے۔اس کے ذریعہ دعوتی کوششوں کو ایک خاص نتیجے تک پہنچایا جائے۔ابھی مسلمانوں کے اندر جس درجہ کی آمادگی اور شعوری کوششیں ضروری تھیں وہ نہیں ہیں۔برادران وطن اور ان کے خاندان اور سماج سے جڑنے کی اہمیت اور ضرورت بھی وہ محسوس نہیں کرتے۔اس کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟ان سب باتوں کے لیے واضح سوچ اور صحیح لائحہ عمل طے کرنا ضروری ہے۔

پہلے چند اصولی باتیں پیش کی جاتی ہیں۔اس کے بعد اس سلسلے میں پیدا ہونے والے سوالات کے مختصر جوابات دیے جائیں گے۔

برادران وطن سے گفتگو میں درج ذیل نکات ملحوظ رکھیں:

۱-ان سے کبھی یہ نہ کہیں کہ ہمارا اللہ یا ہمارا خدا،تمہارا یا آپ کا ایشور یا بھگوان۔اسی طرح ہمارا اسلام یا ہمارا مذہب،تمہارا یا آپ کا مذہب۔ہمارے پیغمبر،ہمارے رسول اور تمہارے رام اور کرشن۔ہماری کتاب تمہارے وید۔اللہ تعالیٰ،پیغمبر حضرت محمدؐ اور اسلام سب کے ہیں۔

۲-برادران وطن (مخاطبین) میں دیکھیں کہ دلت،آدی باسی اور دیگر مظلوم طبقات کے افراد زیادہ ہیں تو ویدوں،گیتا یا ان کی کسی کتاب کا حوالہ دے کر گفتگو نہ کریں۔کیوں کہ یہ بات مظلوم اور محروم طبقات سخت ناپسند کرتے ہیں۔اسی طرح ہندوستان نہ کہیں۔بھارت یا انڈیا کہیں۔ہر موقع پر گفتگو کے لیے ہمارے ملک کے لیے یہ دونوں نام بہت مناسب ہیں۔بھارت تو دستور ہند میں درج ہے اس کا انگریزی ترجمہ انڈیا ہے۔

۳-ملاقات خواہ عارضی ہو یا سفر میں ہو رہی ہو یا انفرادی طور پر برادران وطن کے گھر یا آفس میں ہو رہی ہو ایک مفید اور ضروری نکتہ یہ ہے کہ پہلے تعارفی گفتگو کریں۔تعارفی گفتگو اچھے طریقے سے ہو جاتی ہے تو اسلام،دیگر مذاہب اور حالات حاضرہ وغیرہ پر گفتگو ہو سکتی ہے۔تعارفی گفتگو سے اجنبیت دور ہو جاتی ہے۔باہم نزدیکی اور قربت وہم آہنگی میں اضافہ دعوت کی باتیں کرنے کے لیے مددگار ثابت ہوتی ہے۔تعارفی گفتگو میں صرف ایک دوسرے کے ناموں سے واقف ہونا کافی نہیں ہے۔بلکہ کچھ ابتدائی گھریلو حالات مثلاً ان کی اولاد اور تعلیم یا ملازمت

کے مشاغل اور خود ان کی بھی مصروفیات وغیرہ بھی جاننے کی کوشش کریں۔

۴-کیا برادران وطن کو پہلی ہی ملاقات میں توحید، رسالت اور آخرت کے بارے میں سب بنیادی باتیں بتادی جائیں؟ ایسا بھی ہوتا ہے کہ توحید کے بارے میں سن کر وہ کہتے ہیں یہ اچھی تعلیم ہے، ہم تو خدا کو ایک ہی مانتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا کوئی شریک بھی نہیں مانتے۔ بھگوان، خدا، اللہ ایک ہی ہے، یہ ان کا کہنا ہوتا ہے۔ کبھی کسی پروگرام میں اظہار خیال کا موقع کسی برادران وطن کو ملتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ سب ایک خدا ہی کو مانتے ہیں صرف نام الگ الگ ہیں ہستی ایک ہی ہے۔ یعنی ایشور، رام، رحیم اور یسوع مسیح سب اس خدا کے الگ الگ نام ہیں۔

کیا اس کا جواب دینا چاہیے یا خاموشی اختیار کرنا چاہیے؟ ایسے موقعوں پر خاموش رہنا مناسب نہیں ہے۔ انہیں بتانا ہوگا کہ ایشور، رام رحیم اور یسوع مسیح کون ہیں؟ اللہ کون ہے؟ خاموش رہنے میں حق و باطل گڈمڈ ہوجائیں گے۔ اس لیے حق کو واضح کردینا چاہیے۔ اسی کے ساتھ بتانا چاہیے کہ خدا کو ماننے میں اس کی ہدایت کو ماننا لازمی ہے۔ ہدایت اور رہ نمائی کے دو ذرائع ہیں ایک اس کے پیغمبر اور انبیاء دوسرا خدا کی کتابیں آخری پیغمبر حضرت محمدؐ ہیں اور آخری کتاب قرآن مجید ہے۔ خدا کو ایک اور لاشریک ماننے کا لازمی تقاضا اس کے تمام نبیوں اور پیغمبروں، آخری پیغمبر حضرت محمدؐ اور تمام کتابوں بالخصوص آخری کتاب قرآن مجید کو ماننا ضروری ہے۔ ان کا انکار دراصل خدا ہی کا انکار ہے۔

۵-سفر کے موقع پر محدود اور مختصر وقت میں دعوت کیسے دی جائے؟ یا کہیں کسی برادر وطن سے عارضی یا ہنگامی طور پر ملاقات ہورہی ہے تو دعوت کیا اور کس طرح پیش کی جائے؟

یہ اور اس نوعیت کے مزید سوالات ہوسکتے ہیں۔ ان سب کے جوابات دیے جائیں گے امید تو یہی ہے کہ مزید سوالات کے جوابات اسی بحث میں مل جائیں۔

یہ باتیں دعوت کے میدان میں عملی طور پر ہی انجام دینے کی ہیں۔ بعض الجھنیں جو رکاوٹ بنتی ہیں، ان کو دور کرنا ضروری ہے۔

ایک الجھن جھجک اور اعتماد کی کمی کی ہوتی ہے۔ اس میں کچھ مرعوبیت اور ڈر و خوف کی کیفیت ہوتی ہے۔ کبھی ردعمل منفی ہونے کی وجہ سے بھی داعی آگے نہیں بڑھتا۔ ان الجھنوں کا

معاملہ صرف میدان عمل میں اترنے سے قبل کی سوچ کا ہے۔ ایک بار آپ کسی سے دعوتی گفتگو کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد جھجک کچھ دور ہو جاتی ہے اور اعتماد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ گویا دعوتی کام کو بغیر کسی پس وپیش کے آپ کر لیں۔ اس یقین سے کام کریں کہ کوئی منفی ردعمل بالکل نہیں ہوگا اور کام یابی بھی ضرور ملے گی۔ چنانچہ برادران وطن دعوتی گفتگو سن کر شکریہ ادا کرتے ہیں، اپنی پسند کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ آئندہ بھی ایسی باتوں کو بیان کرنے کے لیے پروگرام کرتے رہنے کی باتیں کرتے ہیں۔ بعض اوقات اپنا تعاون بھی پیش کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں دعوت پیش کرنے یا گفتگو کرنے کے لیے کوئی ایک تدبیر یا اصول نہیں بتایا گیا ہے۔ دعوت کے لیے افراد، حالات اور ماحول بدلتے رہتے ہیں دعوت کے اصول نہیں بدلتے۔ مخاطب الگ الگ قسم کے ہو سکتے ہیں۔ ملحد، غیر مسلم یا کسی بھی مذہب کو نہ ماننے والے یا کسی مذہب کو شدت سے ماننے والے اور اس کے پیرو۔ اس کے علاوہ سیکولرسٹ، نیشنلسٹ ،عقلیت پسند یا انسانیت ہی کو مذہب کہنے والے بھی ہیں۔ کچھ عرصہ قبل راقم کی ملاقات دو بڑے شہروں میں ایسے افراد سے ہوئی تھی کہ جن کا اصرار تھا کہ ملک کے دستور ہی کو دھرم بنالیں، اسی دستور کو سب لوگ مان لیں کہ ان سب کا اصلی دھرم بھارت کا دستور ہے۔ سب اس پر چلنے کے لیے تیار ہوں۔ ان دونوں تعلیم یافتہ افراد میں ایک صاحب ریٹائرڈ انکم ٹیکس چیف کمشنر تھے۔ دوسرے صاحب ایک تنظیم کے ذمہ دار تھے۔ انھوں نے کئی بیرونی ممالک کا سفر کیا ہے۔ راقم نے ان دونوں سے بات کی اور ان کی خواہش کہ دستور ہند کو ہی دھرم مان لیا جائے، اس کے کئی پہلو، ان کے سامنے رکھے گئے۔ مجھے بعد میں پتہ چلا کہ صرف یہ دو برادران وطن نہیں ہیں بلکہ اس طرح کے لوگ ہر بڑے شہر میں ہیں اور باقاعدہ ایک گروپ یا ٹیم ہے جو کام کر رہی ہے۔ یہ حضرات اپنی جگہ مخلص ہیں۔ لیکن اصل سوال صحیح سوچ یا فکر کا ہے۔ چنانچہ راقم نے دستور کو مذہب بنانے کی تجویز پر کئی سوالات کھڑے کیے۔ کئی پہلو، ان کے سامنے رکھے۔ وہ لوگ ان باتوں کا جواب نہیں دے سکے۔

دعوت کیسے دیں؟ سہولت کے لیے درج ذیل سوالات قائم کر کے اس کا جواب دیا جائے گا۔

۱-دعوت دین کا اصلی اور صحیح طریقہ کیا ہے؟ کیا کوئی طے شدہ طریقہ قرآن وسنت سے ثابت ہے جس کی پیروی کرنا لازمی ہو اور جس سے ہٹ کر دعوت دی جائے گی تو وہ غلط ہوگی؟

۲-برادران وطن یا ان کے دو چار افراد سے پہلی ملاقات ہو تو گفتگو کا آغاز کس طرح کرنا چاہیے؟ اس کے بعد پھر ملاقاتیں ہوں تو کیا بات چیت کرنا چاہیے۔

۳-عام طور سے برادران وطن، اسلام کے بارے میں سن کر آخر میں کہتے ہیں: اسلام اچھا مذہب ہے۔ دیگر مذاہب بھی اچھے ہیں۔ سب مذاہب سچے ہیں اور ایک خدا تک پہنچاتے ہیں۔ کسی ایک مذہب کو سچا ثابت کرنا دیگر مذاہب کو سچا نہ سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ یہ وحدت ادیان کا فلسفہ ہے اس پر تفصیل اسی کتاب میں ہے۔

۴-دعوت کے سلسلے میں ایک اہم بات جس کو ہمیشہ دھیان میں رکھنا ضروری ہے کہ اس کی ٹریننگ کا ذریعہ لکچر، کوئی ورکشاپ یا کتاب کا مطالعہ نہیں ہے۔ دعوت کی بہترین ٹریننگ میدان کی ہے۔ اس کے نتیجے میں دعوت کا کام کرنے میں آپ بتدریج کامیابی کی منزلیں طے کرتے جائیں گے۔

۵-دعوت کے لیے اصل صلاحیت کوئی علمی معیار، ہائی اسکول یا کالج کی ڈگری، دینی درس گاہ کی سند نہیں ہے، کوئی ہنر اور کسی فن میں مہارت نہیں ہے۔ یہ سب داعیوں کے اندر ہو تو دعوت کے کام میں مدد ملے گی۔ اصل صلاحیت جس کے بغیر دعوت کا کام بالکل نہیں کیا جاسکتا وہ خدا کے بندوں سے بے پناہ محبت، ہمدردی اور ان کی خیر خواہی کا سچا جذبہ اور انھیں جہنم کی خوف ناک آگ سے بچانے کی تڑپ اور دعوتی جذبہ ہے۔ واضح رہے خدا کے بندوں میں مشرکین، ملحدین، منکرین مذہب، خدا کے باغی یا کوئی بھی ہوسکتے ہیں۔ ہر انسان بہر حال خدا کا بندہ ہے۔ دوسری اہم صلاحیت حق بات کو کہنے کی خوبی، دھن اور لگن ہے۔ تیسری صلاحیت حق کو پیش کرنے کی جرأت ہے۔

۶-ایک بات کا یقین داعی کو ہمیشہ ہونا چاہیے کہ کبھی برادران وطن کے ساتھ اسلام پر گفتگو ہو، یا ان کے سامنے دعوت پیش کی جائے تو وہ ناراض ہوکر جھگڑا کریں یا مار پیٹ کی نوبت آجائے، ایسا نہیں ہوگا۔ وہ اگر داعی کی بات سننا پسند نہیں کرتے تو صاف کہہ دیں گے، داعی کوئی

کتاب یا فولڈر دینا چاہے تو لینے سے منع کر دیں گے۔ایک دل چسپ واقعہ ملاحظہ کریں۔ راقم کے چار داعی دوست ایک محلہ کے ایک برادر وطن کے پاس ملاقات کے لیے گئے۔ وہاں ان کے تین غیر مسلم دوست پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔داعیوں نے اپنا تعارف کرایا اور بات چیت کرنا چاہا تو صاحبِ خانہ نے منع کیا۔صاحب خانہ نے منع کرتے ہوئے یہ کہا کہ ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ان کے دوست پسند کریں تو سن سکتے ہیں اور فولڈرس لے سکتے ہیں۔دل چسپ بات یہ ہوئی کہ داعیوں نے دوستوں سے بات کی ان کی باتیں صاحب خانہ نے بھی سنیں اور ان کے دوستوں نے فولڈرس قبول کیے۔

داعی اگر نادانی ،غیر حکیمانہ اور مناظرانہ انداز اختیار کرتا ہے تو اس سے اشتعال اور نفرت کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔افہام وتفہیم کا ماحول ختم ہوگا اور دعوت کی راہ بند ہوتی ہے۔ایک دوسرے پر الزامات،سخت گفتگو اور نفرت بڑھ کر خدانخواستہ مار پیٹ تک کی نوبت آسکتی ہے۔ اس لیے برادران وطن سے بات چیت نہایت نرم لہجے،محبت اور دردوسوز، ناصحانہ انداز کے ساتھ ہونی چاہیے۔آخرت کی زندگی اور موت کے اچانک آکر غور وفکر اور فیصلوں کے تمام مواقع ختم کرنے کی بات انھیں متاثر کرتی ہے۔جب کبھی گفتگو کے دوران داعی محسوس کرے کہ مخاطب کے اندر غصہ پیدا ہورہا ہے تو گفتگو کا رخ موڑنا اور اس گفتگو کو چھوڑنا مناسب ترین قدم ہوگا۔اس سے آئندہ بات چیت کا دروازہ کھلا رہے گا۔

اس ضمن میں راقم کا ایک واقعہ اس بات کو سمجھنے میں مدد دے گا۔میرے ایک ملاقاتی برادر وطن ڈاکٹر.... تھے۔یہ اعلیٰ سرکاری افسر تھے۔سائنس کی ایک شاخ میں پی ایچ ڈی تھے۔ ایک دفعہ ان کے ساتھ راست اسلام قبول کرنے اور شرک کو ترک کرکے جہنم کی آگ سے بچنے پر گفتگو ہونے لگی۔ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں تھا۔میں نے کچھ دلائل بھی پیش کیے۔وہ دلائل پر غور کرنے اور سنجیدگی سے گفتگو کرنے کے بجائے غصہ سے بھر گئے۔بہت سختی سے جواب دیتے ہوئے کہنے لگے:اقبال صاحب!اگر آبائی مذہب پر چل کر مجھے جہنم کی آگ میں جلنا پڑے تو میں جلنے کے لیے تیار ہوں۔اس وقت شدید گرمی تھی۔میں یہ سن کر کانپ گیا۔بڑی نرمی اور دردمندی سے عرض کیا کہ ڈاکٹر صاحب!ایسا نہ کہیں بلکہ کم ازکم میری باتوں اور میرے دلائل پر غور کرلیں۔

اتنا کہتے ہی وہ اور زیادہ ناراض ہو گئے۔ پھر اپنی پہلے والی بات دہرادی۔ میں نے صاف محسوس کیا کہ اب وہ شدید غصے کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ کوئی معقول رویہ اختیار نہیں کرسکیں گے۔ میں نے ٹھنڈے لہجے میں کہا کہ اب گفتگو یہیں ختم کرنا مناسب ہے کبھی آئندہ گفتگو ہوسکتی ہے۔ اس پر بات ختم ہوگئی ہم دونوں جدا ہو گئے۔ چند ماہ کا عرصہ گزرا ہوگا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اس واقعہ کی یاد آتی ہے تو غم اور افسردگی کی گہری کیفیت میرے اوپر چھا جاتی ہے۔ خدا جانے کس حال میں ہوں گے؟

خلاصہ

دعوت کیسے دیں؟ اس کا دارومدار موقع ومحل کے اعتبار سے ہے۔ اور مدعو کے تعلق سے بھی ہے۔ اگر موقع اس طرح کا ہے کہ تفصیلی بات رکھی جاسکتی ہے تو توحید اور رسالت وآخرت تینوں بنیادی اصولوں کا تعارف ہوسکتا ہے۔ یا اگر کسی ایشو، حادثہ یا واقعہ کے حوالے سے اسلام کی تعلیمات کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ ایشوز میں قریب زمانہ کے واقعات مثلاً زنا بالجبر اور زندہ جلا دینے کے واقعات یا امریکہ میں جارج فلائیڈ کا دردناک قتل یا بے قصوروں کی ماب لنچنگ وغیرہ کو موضوع گفتگو بنایا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ گفتگو کے لیے کوئی ایک ہی طریقہ یا فارمولہ نہیں ہے بلکہ اصولی رہ نمائی کو سامنے رکھ کر دعوت پیش کی جائے۔ کبھی مختصر وقت کے لیے ملاقات ہوتی ہے تو مختصر بات چیت کریں۔ خدا کے صحیح تعارف پر روشنی ڈالیں۔ اس کے ساتھ انسان کا تعلق اور اس کے تقاضے سمجھائیں۔ برادران وطن عام طور پر کہتے ہیں کہ وہ ایک خدا یا بھگوان کو مانتے ہیں۔ انکار نہیں کرتے۔ اس کے لیے خدا کا ضرور تعارف کرانا چاہیے۔ ان کو بتانا چاہیے کہ خدا ایک ہے، یہ ادھوری بات ہے۔ اتنا ماننا کافی نہیں ہے۔ خدا کی آخری کتاب قرآن مجید میں خدا کو ماننے کے سلسلے میں رہ نمائی ملتی ہے۔

وہ ایک ہے۔ ہمیشہ سے رہا ہے۔ اس کے لیے کوئی آغاز اور اختتام نہیں ہے۔ وہ اکیلا پوری کائنات کا خالق، پالنہار، رکھوالا اور نظام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اسے کسی مددگار کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں لیکن سب اس کے محتاج ہیں۔ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے وہ بھی کسی کی اولاد نہیں ہے۔

اس کی ذات، صفات، حقوق اور اختیارات میں کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ اس کا کوئی ایک یا زائد معاون خدا نہیں ہے۔ اسے کسی کی مدد اور معاونت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان میں اپنی طرف سے کسی کو شریک بنانا سب سے بڑا گناہ ہے۔

خدا کو ماننے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ اپنے بندوں کی مادی، جسمانی اور طبعی ضرورتوں کو پورا کرنے والا تو ہے ہی۔ وہی تنہا خدا ہے جس نے بندوں کی روحانی اور اخلاقی ضرورتوں کو پورا کیا ہے۔ اسی کا نام مذہب ہے۔ اسلام خدا کی جانب سے بندوں کی ہدایت اور رہ نمائی کا مذہب ہے۔ یہ ہدایت بندوں کو پیغمبروں کے ذریعہ ملتی رہی ہے۔

خدا کو ماننے کا اعلان اور اقرار کرنا لیکن اس کی رہ نمائی کو تسلیم نہ کرنا دراصل خدا کا انکار ہی نہیں بلکہ سراسر بغاوت اور سرکشی کا راستہ ہے۔

خدا کے پیغمبروں اور آخری پیغمبر حضرت محمدؐ اور خدا کی تمام کتابوں اور آخری کتاب قرآن مجید کو ماننا بھی خدا کو ماننے میں شامل ہے۔

کسی ایک پیغمبر کا انکار تمام پیغمبروں کا انکار ہے۔ کسی ایک آسمانی کتاب کا انکار خدا کی تمام کتابوں کا انکار ہے۔ یہ انکار یہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ خدا ہی کے انکار کا مترادف ہے۔

برادران وطن سے گفتگو کا یہ ایک نمونہ ہے۔ اسی طرح ملاقاتوں اور گفتگوؤں میں برادران وطن کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد کی زندگی کا اقرار کرتے ہیں اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن برادران وطن مرنے کے بعد کی زندگی، نجات، جنت اور جہنم کے بارے میں سوائے قیاس وگمان کے اور کچھ نہیں جانتے۔ قرآن کی تعلیمات سے بالکل بے خبر ہیں۔ ان کو تفصیل سے بتایا جائے تو مان لیتے ہیں اس لیے ان کو تفصیل سے بتانے کی ضرورت ہے۔

اوتار یا اوتارواد کا عقیدہ

ہمارے ملک میں ہندو مذہب کے پیرووں کی ایک تعداد اوتارواد پر یقین رکھتی ہے۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ ہندو مذہب کی بنیادی کتب یعنی چاروں وید میں یہ عقیدہ نہیں پایا جاتا۔ البتہ پرانوں اور گیتا میں اس کی تعلیم ملتی ہے۔ ویدوں میں خدا کی صفات بیان ہوئی ہیں کہ اس کا کوئی آکار اور روپ نہیں ہے۔ یہ عقیدہ ویدوں کی اس تعلیم سے ٹکراتا ہے۔ اس عقیدے کی رو سے خدا کی جو تصویر سامنے آتی ہے وہ ویدوں میں تصور خدا کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آریہ سماجی اس عقیدے کو نہیں مانتے۔ دراصل یہ عقیدہ ہندو مذہب سے باہر کا ہے۔

اس عقیدے کی رو سے جب جب مذہب کی تعلیمات مٹ جاتی ہیں۔ زمین ظلم وناانصافی، فساد اور بگاڑ سے بھر جاتی ہے۔ اس وقت بھگوان خود زمین پر کسی جسم یا روپ کو اختیار کر کے اترتا ہے۔ وہ زمین میں دھرم کو از سر نو زندہ کرتا ہے۔ ظلم، ناانصافی، فساد اور بگاڑ کا خاتمہ کر کے واپس چلا جاتا ہے۔

چنانچہ بھگوت گیتا میں ہے:

> ''اے بھارت (ارجن) جب جب دھرم میں بگاڑ اور ادھرم (ظلم) کی زیادتی ہوتی ہے۔ تب تب میں ہی اپنے وجود کو ظاہر کرتا ہوں۔ یعنی جسم اختیار کر کے ظاہر ہوتا ہوں، لیکن لوگوں کو بامراد کرنے کے لیے ادھرمی لوگوں کو تباہ کرنے کے لیے اور دھرم کو اچھی طرح قائم کرنے کے لیے میں ہر زمانے میں آتا ہوں۔''
>
> (بھگوت گیتا باب ۴ شلوک ۷، بحوالہ ہندو مذہب۔ مطالعہ اور جائزہ، صفحہ: ۳۲)

بھاگوت مہاپران میں ہے:

''جب جب دنیا میں دھرم کا زوال ہوتا ہے اور پاپ (بدی) بڑھ جاتا ہے تب قادر مطلق بھگوان شری ہری اوتار لیتے ہیں۔'' (بھاگوت مہاپران ۹۔ ۲۴۔ ۵۶)

حافظ محمد شارق لفظ اوتار کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

''لفظ اوتار دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ او کا مطلب ہے نیچے اور تار کا مطلب ہے آنا یا گزرنا یعنی اوتار سے مراد وہ جو نیچے اترا یا وہ جو نیچے آیا۔'' (ہندومت ایک تجزیاتی مطالعہ، ص ۲۹)

اوتاروں کی تعداد دس، سولہ اور چوبیس تک بتائی گئی ہے۔ زیادہ قابل قبول تعداد دس ہے۔ کلکی اوتار ہندو تصورات کے مطابق آنے والے ہیں۔ بہت سارے مصنفین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کلکی اوتار حضرت محمدؐ ہی ہیں۔ اس سلسلے میں پنڈت وید پرکاش اپادھیائے بہت مشہور ہیں۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ان کی کتاب 'کلکی اوتار اور محمدؐ صاحب'۔

ہندو تعلیمات کے مطابق وشنو بھگوان کے دس اوتار مانے گئے ہیں۔ وشنو بھگوان کے دس اوتار درج ذیل ہیں:

۱-متیہ (مچھلی)، ۲-کورم (کچھوا)، ۳-ورہاہ (سور)، ۴-نرسنگھ یا نرسمھ (نصف انسان، نصف شیر)، ۵-وامن (بونا)، ۶-پرشورام، ۷-رام، ۸-کرشن، ۹-بدھ، ۱۰-کلکی

(ہندو مذہب-مطالعہ اور جائزہ، ص ۱۸۴)

ان کی تفصیلات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ مذہب میں تحریفات اور اس کی تعلیمات میں ملاوٹ کے بعد صحیح مذہب انسانوں تک پہنچانے، ظلم و ناانصافی کا خاتمہ اور امن کو قائم کرنے کا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کی رہ نمائی ہے کہ اس اہم مقصد کے لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں اور رسولوں کو بھیجا ہے۔ پیغمبر اور رسول مختلف زمانوں اور مختلف قوموں میں برابر آتے رہے ہیں۔ آخری پیغمبر حضرت محمدؐ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝۲۴

(فاطر: ۲۴)

''اور کوئی امت (گروہ انسانی) ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔''

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ
(النحل:۳۶)

''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔''

برادران وطن کو نہایت نرمی، محبت اور دل سوزی کے ساتھ اسلام کے عقیدۂ رسالت کے بارے میں سمجھانا چاہیے۔ بندوں کی ہدایت و رہ نمائی کے لیے اور ایک نمونہ پیش کرنے کے لیے خدا نہیں بلکہ کوئی منتخب انسان ہی فطری اور موزوں طریقہ ہے۔ خدا کا بندوں کی رہ نمائی کے لیے منتخب کردہ انسان پیغمبر کہلاتا ہے۔ ہمارے ملک میں بھی یقیناً پیغمبر آئے ہوں گے، ان کے نام قرآن میں نہیں ہیں۔ کیوں کہ یہ بہت قدیم تاریخ کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ
(البقرہ:۲۱۳)

''ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے۔ (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو (راست روی) پر بشارت دینے والے اور (کج روی کے نتائج سے) ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ (حق کے بارے میں) لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے، ان کا فیصلہ کرے۔''

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
(یونس:۷۴)

''پھر نوحؑ کے بعد ہم نے مختلف پیغمبروں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے۔''

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ (الحدید:۲۵)

''یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان

(ترازو) نازل کی تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔''

پیغمبر یا رسول کے بارے میں یہ بات بتائی جاسکتی ہے کہ وہ خدا کا اوتار یا خود خدا نہیں ہوتا بلکہ خدا کا بندہ اور اس کی مرضی کا نمائندہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی مرضی، تدبیر اور کسی ریاضت سے پیغمبر نہیں بلکہ خدا کے حکم اور انتخاب کے نتیجے میں پیغمبری یا رسالت کے کام پر مامور ہوتا ہے۔

حضرت محمدؐ آخری پیغمبر کیوں ہیں؟ اس کی وضاحت برادران وطن کے سامنے کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید آخری کتاب ہدایت محمدؐ پر نازل کی، رسول اکرمؐ کی پوری سیرت آپؐ کے ارشادات سب محفوظ ہیں۔ اس لیے اب کسی نئے پیغمبر کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کے ساتھ ساتھ داعیانہ جذبے کے ساتھ اوتارواد کی نفی کریں۔ اس سلسلے میں درج ذیل نکات سے مدد لے سکتے ہیں:

۱- یہ بات آچکی ہے کہ ویدوں میں یہ عقیدہ نہیں ہے۔ گیتا اور پرانوں میں آیا ہے۔ اس تضاد کا حل کیا ہے؟ قرآن مجید چوں کہ آخری کتاب ہے۔ پچھلی کتابوں کی تعلیمات کا خلاصہ اور حفاظت اسی کتاب کے ذریعہ ہے۔ قرآن کی رہ نمائی واضح ہے کہ انسان کی ہدایت و رہ نمائی، مذہب کو از سرنو زندہ کرنے، ظلم و ستم، فساد اور بگاڑ کے خاتمے۔ امن و سلامتی اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے خدا کے آنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ انسانوں میں منتخب انسان یہ کام کرکے اپنا رول ماڈل انسانوں کو دے کر جائے۔ یہ منتخب انسان پیغمبر (رسول) کہلاتے ہیں۔ دنیا میں سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدمؑ اور حضرت محمدؐ آخری پیغمبر ہیں۔

۲- مذکورہ کام کے لیے غور کریں کہ خدا نعوذ باللہ انسان یا حیوان بن کر پیدا ہو۔ مچھلی، کچھوا اور سور وغیرہ خدا کا توہین آمیز تصور ہے۔ خدا آکر سب کچھ کرکے چلا جائے وہ انسان کے لیے نمونہ نہیں ہوسکتا خود انسان ہی انسان کے لیے نمونہ ہوسکتا ہے۔

۳- ہمارے ملک میں یقیناً پیغمبر آئے ہوں گے۔ ان کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے۔ انبیاء کی تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی قوموں نے محبت و عقیدت میں غلو کرکے ان کو انسانوں سے اونچا اٹھا کر قریب قریب خدا کے برابر ٹھہرا دیا۔ مثلاً یہودیوں کا حضرت یعقوبؑ کے بارے میں یہ خیال کہ انھوں نے رات بھر نعوذ باللہ خدا سے کشتی لڑی اور خدا کو ہرا دیا۔ اسی طرح

حضرت عزیرؑ ایک پیغمبر تھے ان کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ ایک عظیم پیغمبر تھے۔ان کے ماننے والوں نے انھیں خدا کا بیٹا اور پھر خدا بنالیا ہے۔

اس طرح یہ بات یقینی ہے کہ بھارت میں پیغمبروں کے آکر جانے کے بعد ان کے پیروؤں نے محبت وعقیدت اور احترام میں غلو کی بنا پر ان کو انسان ماننے اور قبول کرنے کے بجائے ہوسکتا ہے خدا بنادیا ہو اور الوہیت کو ان کے اندر داخل کردیا ہو۔

۴-اوتار کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ یہ اہم سوال ہے۔ڈاکٹر محمد احمد کی اہم تصنیف 'اوتار واد اور رسالت۔ایک تقابلی مطالعہ' میں اس کا جواب دیتے ہوئے جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔تفصیل جاننے کے لیے کتاب کا مطالعہ مفید رہے گا۔

''رگ وید (۲،۲۵،۶) میں لفظ اوتاری آیا ہے جس کا ترجمہ مشہور ماہر لغت سائن نے اڑچن اور مصیبت سے نجات دلانے والا بتایا ہے۔اوتر لفظ یجر وید (۶:۱۷) میں آیا ہے جس کا مفہوم مستشرق گرنتھ نے Descent بتایا ہے۔

لفظ اوتار کا مفہوم خدا کا زمین پر نازل ہونا یا اترنا نہیں ہے بلکہ اس لفظ کا صحیح مفہوم خدا کے ذریعہ زمین پر اتارا گیا ہوتا ہے، اترنا نہیں۔مشہور ماہر لغت اور شارح پانی نے اس کا مفہوم ''نیچے اتارا گیا'' لکھا ہے۔

ہندو مذہب کے معروف محقق ڈاکٹر وید پرکاش اپادھیائے کا بھی یہی خیال ہے۔ گائتری سماج کے عظیم اسکالر بلرام سنگھ پرہار اور ہندو مذہب کے مستند عالم ڈاکٹر پی وی کانے تسلیم کرتے ہیں کہ اوتار واد اصل میں رسالت اور پیغمبری ہے۔سوامی وویکانند جی نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں برادران وطن کو اوتار کا صحیح مفہوم سمجھا کر اسلام کے عقیدۂ رسالت اور ختم نبوت کا تعارف کرایا جائے تو وہ متاثر ہوتے ہیں۔اس کے ساتھ حضرت محمدؐ کی مبارک سیرت، ان کا پیغام اور ان کی تعلیمات پر کتاب مطالعہ کے لیے دی جائے تو اوتار کے اس مسئلہ کے سلسلے میں وضاحت پوری ہوجاتی ہے۔

آواگمن کا عقیدہ

برادران وطن کے درمیان جولوگ مذہب سے عقیدت اور لگاؤ رکھتے ہیں ان کی بہت بڑی اکثریت اس عقیدے کو مانتی ہے۔اس عقیدے کے لیے دلائل بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ اس پر کافی لٹریچر بھی پایا جاتا ہے۔لیکن ایک عام برادر وطن جو اس عقیدے پر یقین رکھتا ہے اس کے لیے سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ اس کے آباواجداد اس کو مانتے تھے اور اسی لیے وہ بھی اس پر یقین رکھتا ہے۔ یہ عقیدہ زندگی بعد موت سے متعلق ہے۔

ابوریحان البیرونی (۹۷۳-۱۰۴۸) ازبکستان سے بھارت آکر سنسکرت سیکھی تاکہ ہندوؤں کے بنیادی ماخذ ان کی زبان میں پڑھ سکیں۔ انھوں نے علمی تحقیق کے نتیجے میں ایک جامع کتاب تیار کی۔اس کتاب کا نام کتاب الہند ہے۔اس کا اردو ترجمہ 'ہندو دھرم ہزار برس پہلے' کے نام سے دستیاب ہے۔

ابوریحان البیرونی لکھتے ہیں:

''جس طرح کلمۂ اخلاص مسلمانوں کے ایمان کا شعار، تثلیث عیسائیوں کی علامت اور سبت منانا یہودیوں کی خصوصیت ہے اسی طرح تناسخ کا عقیدہ ہندو مذہب کا امتیاز ہے۔ جو شخص تناسخ کا قائل نہیں ہے وہ ہندو نہیں ہے اور اس کا شمار ہندوؤں میں نہیں ہوسکتا۔''

(ہندو دھرم ہزار برس پہلے، ص ۴۴)

آواگمن کا عقیدہ تمام ہندوستانی مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ بودھ مذہب، جین مت اور سکھ مذہب کسی نہ کسی شکل میں آواگمن کو تسلیم کرتے ہیں۔ جزوی اختلافات بھی ہیں۔

ہندو مذہب کی بنیادی کتب ویدوں میں یہ عقیدہ نہیں ہے۔ پرانوں، گیتا، رامائن اور اپنشدوں میں یہ عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔

آواگمن کے عقیدے کو گیتا کے درج ذیل شلوک کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے:

''جس طرح انسان اپنے پرانے کپڑے اتار کر نئے کپڑے پہنتا ہے اسی طرح روح اپنے پرانے اور بوسیدہ قالب کو ترک کر کے نئے جسم میں حلول کرتی ہے۔''

(شری بھگوت گیتا یتھا روپ مترجم سوامی پربھو پاد، ص ۷۸)

ایک دوسرا حوالہ بھی دیا جاتا ہے:

''اے پرنتپ ارجن! میرے اور تیرے بہت سے جنم ہو چکے ہیں۔ ان سب کو تو نہیں جانتا مگر میں جانتا ہوں۔'' (عقیدۂ تناسخ۔ ایک حقیقت پسندانہ تجزیہ، ص ۲۷)

آواگمن کا مطلب

اس عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ اس کے سابقہ کرم (عمل) کا نتیجہ ہے۔ یعنی اگر وہ موجودہ زندگی میں عیش و آرام سے ہے تو سابقہ زندگی کے اعمال کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ مصیبتوں، پریشانیوں اور حادثات کا شکار ہے تو سابقہ اعمال کی وجہ سے ہے۔ گویا انسان جو کرم بھی کرتا ہے اس کا لازمی نتیجہ دیکھ لے گا۔ اس میں کسی ایسے خدا کا تصور جو گناہوں کو معاف بھی کرتا ہے اور توبہ قبول کرتا ہے، نہیں ہے۔ اسی طرح گنہ گار اور مصائب و آلام میں گھرے ہوئے انسان کے لیے لازماً پچھلی زندگی کے اعمال ذمہ دار ہیں۔ وہاں بھی اس کے لیے کوئی معافی، بخشش اور مغفرت کی گنجائش نہیں ہے۔

اس عقیدے کی رو سے انسان کے مرنے کے بعد اس کا جسم تو فنا ہو جاتا ہے لیکن اس کی روح نہیں مرتی وہ زندہ رہتی ہے۔ انسان نے اپنی زندگی میں اگر اچھے کرم کیے ہیں تو روح ایک اچھے انسان یا جانور کی قالب لے کر جنم لے گی۔ اگر برے کرم کیے ہیں تو برے جانور، کیڑا مکوڑا یا گھاس پھوس یا سبزی ترکاری کے روپ میں جنم لے کر پیدا ہوگا۔ پھر اس طرح جنم لینے کے بعد اچھے یا برے کرموں کے بنیاد پر موت کے بعد اگلے کسی قالب (روپ)

میں جنم لے گا۔اس طرح جنم لینے اور موت کا یہ سلسلہ کل چوراسی لاکھ (۸۴ لاکھ) مرتبہ تک چلتا رہے گا۔ اس کے آخر میں انسان ایسے کرم کرے کہ ایک اچھا انسان بن کر جنم لے اور آتما (روح) بن کر پرماتما (خدا کی روح) میں مل جائے۔یہی نجات ہے اور اس کے بعد پیدائش اور موت کا سلسلہ ختم ہوگا۔ایک تصور یہ بھی ہے کہ ۸۴ لاکھ قالبوں کے بعد آخری پیدائش اگر ایک برہمن کی حیثیت میں ہوگی تو اس کے بعد آتما جا کر پرم آتما میں مل جائے گی۔

آواگمن کی تردید

برادران وطن کو اس عقیدے کے کمزور پہلوؤں کے بارے میں سمجھانے کی ضرورت ہے کہ یہ عقیدہ غیر عقلی، غیر سائنٹفک اور زندگی کے اہم حقائق سے متصادم ہے۔

۱-سب سے اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ یہ عقیدہ ویدوں میں نہیں ہے بلکہ گیتا، اپنشدوں اور رامائن وغیرہ میں ہے۔ہندو مذہب کی بنیاد ویدوں پر ہے۔ ویدوں میں پنرجیون یعنی مرنے کے بعد ایک بار کی زندگی کا تصور ہے۔اس میں جنت اور جہنم کا واضح تصور ہے۔ کس طرح کے گناہوں کے نتیجے میں کس نام کی دوزخ میں رکھا جائے گا اس کی تفصیل بھی موجود ہے۔یعنی پچھلی مذہبی کتاب اور آخری کتاب ہدایت قرآن مجید سے ملتا جلتا ہے۔اس طرح آواگمن کی حقیقت سامنے آجاتی ہے۔

۲-ڈاکٹر محمد احمد لکھتے ہیں:

> ''تناسخ (آواگمن) کے پنرجنم پر مبنی اعتقاد کے مطابق جانور، پرندے، نباتات وغیرہ یہ عمل اور گناہ کا نتیجہ ہیں۔مطلب یہ کہ پاپ اور گناہ لازمی ہیں۔ان کے بغیر کائنات کا سلسلہ جاری نہیں رہ سکتا۔اگر اعمال بد کا ارتکاب نہ کیا جائے تو انسان کو دودھ نہ ملے، اناج نہ ملے، ساگ سبزی نہ ملے، لکڑی نہ ملے اور اس کے لیے کارآمد نباتات وحیوانات میسر نہ آئیں۔''
>
> (عقیدۂ تناسخ۔ایک حقیقت پسندانہ تجزیہ، ص ۸۱)

اس کا مطلب یہ بھی ہوگا کہ پاپ، گناہ اور جرم کے سلسلے میں کسی کو کوئی روک ٹوک نہ ہو۔جرائم پر سزا نہ ہو۔ پاپ کرنے والا گناہوں کی خدا سے معافی نہ مانگے۔اگر معافی مانگتا ہے تو

نعوذ باللہ خدا کو چاہیے کہ معاف نہ کرے۔ کیوں کہ ایسا ہوگا تو جانور، پرندے، سبزیاں، حیوانات سب سے انسان محروم ہوجائے گا۔

۳- ڈاکٹر محمد احمد ایک اور اہم پہلو کی طرف متوجہ کرتے ہیں:

''یہ بڑی زیادتی کی بات ہوگی کہ جرم کرنے والے کو معلوم ہی نہ ہو کہ وہ کس جرم کی سزا بھگت رہا ہے۔'' (ایضاً۔ص ۸۱)

اسی طرح اگر کسی انسان کو سابقہ زندگی کے اچھے کرموں (اعمال) کی بنیاد پر انعام کے طور پر نئے جنم میں عیش وعشرت والی زندگی میسر آئی ہے تو اس کے کن اعمال کا انعام ہے؟ وہ نہیں جانتا۔ ان دونوں کے سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ انسان کے اعمال کے اثرات اور نتائج مرنے کے بعد بھی جاری رہتے ہیں۔ اس عقیدے میں اس کا کوئی رول ہی نہیں ہے۔ سوال یہ بھی ہے کہ اچھے اعمال اور برے اعمال کے انعام یا سزا کا فیصلہ کون کرتا ہے اور نیا جنم کس کے اختیار میں ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اس پورے عمل میں خدا کا کوئی رول نہیں ہے۔

مولانا محمد فاروق خان آواگمن کے بعض نقصانات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مذکورہ تصور (تناسخ اور پنرجنم) کی بنا پر تکبر اور رعونت کو شہ ملے گی۔ جن لوگوں کے پاس مال ودولت اور اسباب عیش وعشرت ہوگا وہ اسے اپنے سابقہ زندگی کے اعمال کا نتیجہ اور اپنا کارنامۂ حیات سمجھیں گے اور غریب ونادار لوگوں کو نظر انداز کردیں گے، انھیں گری نظر سے دیکھیں گے۔ یہ پالیسی انسان کو متکبر تو بنا سکتی ہے مگر اس میں عاجزی، فروتنی اور خاکساری کی صفات نہیں پیدا کرسکتی۔ جو انسانیت کے لیے سب سے قیمتی جوہر کی حیثیت رکھتا ہے۔ پنرجنم کا عقیدہ لوگوں کو باہم جوڑنے اور انھیں مربوط کرنے کے بجائے ان میں امتیاز پیدا کرے گا۔ کچھ لوگ پیدائشی طور پر اچھے اور کچھ لوگ پیدائشی طور پر گناہ گار اور مجرم سمجھے جائیں گے۔ اس طرح انسانیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگی۔ اونچ نیچ کے خیالات پروان چڑھیں گے۔ کچھ لوگوں کے مقدس اور پاک باز اور کچھ لوگوں کے ناپاک اور نجس ہونے کا اعلان کیا جائے گا اور یہ سب کچھ مذہب کے نام پر ہوگا۔''

(عقیدۂ تناسخ۔ایک حقیقت پسندانہ تجزیہ، ص ۸۲، ۸۳)

۴-ڈاکٹر محمد احمد آواگمن ۔ پنرجنم کے ایک اہم پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پنرجنم کے ابتدائی لفظ 'پن' کے معنی ہیں: دوبارہ نہ کہ بار بار۔ اس کے باوجود زبردستی اس لفظ سے بار بار کا مفہوم اخذ کر کے اپنشدوں کے ذریعے آواگمن کا عقیدہ بنا دیا گیا اور پرانوں، رامائن، مہابھارت اور دھرم شاستروں میں اس کو زیادہ شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا گیا۔ اس عقیدے میں شرادھ کا اصول یعنی مردے کی روح کو سکون پہنچانے کا کرم کانڈ (یعنی مذہبی اعمال اور رسوم) بھی موجود ہے جو پنرجنم کے صریحاً خلاف ہے۔''

(عقیدہ تناسخ-ایک حقیقت پسندانہ تجزیہ۔ص ۱۹)

۵-زندگی بعد موت ہر انسان کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کے سلسلے میں خالق کائنات کی طرف سے سچا علم پانا ضروری ہے۔ پیغمبری یا رسالت کے سلسلہ کے ذریعہ اس نے معقول نظم کیا اور موت کے بعد ہمیشہ کی زندگی کے بارے میں حقیقت پر مبنی تعلیمات انسان کو عطا کیں تاکہ وہ غلط رویہ، خالق کی نافرمانی اور بغاوت کی راہ پر نہ چلے۔ اسلام میں عقیدۂ آخرت ایک بنیادی عقیدہ ہے۔ دلائل اور عقل وبصیرت کی بنیاد پر ہر لحاظ سے قابل قبول ہے۔ اخروی نجات کے ایسے بنیادی مسئلہ کو محض قیاس وگمان کے حوالے کرنا بہت بڑی نادانی ہوگی۔ اس مسئلہ پر ٹھوس دلائل، وحی الٰہی سے حاصل علم حقیقی اور حکمت وعقل کی روشنی میں غور کر کے رائے قائم کرنا ہوگا۔

۶-گیتا میں آخرت، جنت اور جہنم کا تذکرہ موجود ہے۔ دوسری طرف آواگمن کی بات کہی گئی ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں آپ دیکھ چکے ہیں۔ ان دونوں متضاد باتوں میں سے صحیح کون سی ہے؟ کس کو ادا کیا جائے؟ اس کا فیصلہ آخری کتاب قرآن مجید کرتی ہے۔ قرآن مجید میں عقیدۂ آخرت کے بارے میں تفصیل سے بتایا گیا ہے۔ بہترین دلائل، مثالیں اور قصے بیان کیے گئے ہیں۔ اس کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد انکار کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ قرآن کی ان سب باتوں کی روشنی میں تسلیم اور اطاعت کا رویہ ہی ہر انسان کے لیے صحیح اور درست رویہ ہے۔

دعوت کا کام کرنے والے حضرات ان دلائل کو حکمت اور نصیحت کے انداز میں سمجھائیں۔ واضح رہے کبھی دوسروں کے مذہبی تصورات خواہ کتنے ہی کمزور اور ناقابل قبول ہوں اس کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے اور نہ طنز کرنا چاہیے۔ یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ برادران وطن آبائی مذہبی

تصورات کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔کبھی وہ اس پر غور بھی نہیں کرتے۔آواگمن کی تردید کے لیے ایک اور دلیل پیش کر کے اس بحث کو ختم کرنا مناسب ہے۔ان دلائل کے علاوہ داعی حضرات اپنے طور پر بھی دلائل سوچ سکتے ہیں۔

آواگمن کی رو سے اچھے اور برے کرموں کے نتیجے میں انسان کی موت کے ساتھ ہی اچھے برے قالب میں اس کی روح چلی جاتی ہے۔فرض کریں کہ ایک انسان سے کوئی گناہ یا جرم سرزد ہوا۔اس کی موت واقع ہوئی اور وہ برے کرم کی وجہ سے کتا، گدھا یا کوئی جانور بن گیا۔اب دیکھیے جسم جانور کا ہے روح ایک گناہ گار انسان کی۔دوسری بات یہ کہ کتا یا گدھا تو قدرت کے بنائے ہوئے ضوابط کے تحت زندگی گزار کر مر جائیں گے۔انھیں عقل وشعور اور آزادی نہیں دی گئی ہے کہ وہ اپنے اعمال (کرموں) کے سلسلے میں کوئی فیصلہ کر کے کام کریں۔اس کے ساتھ ایک بات یہ بھی ہے کہ گناہ پر توبہ اور معافی کا کوئی تصور آواگمن کے عقیدے میں نہیں ہے۔

ذات پات کا نظام

ہندو مذہب کے حوالے سے اوتار واد اور آواگمن کا مطالعہ پچھلے صفحات میں کیا گیا ہے۔ ہندو مذہب کی ایک اہم شناخت ورن دیوستھا یعنی ذات پات کا نظام ہے۔ اس کی تاریخ کم از کم تین ہزار سال پرانی ہے۔ دعوتی کام کرنے والے اس کو تفصیل سے تاریخی کتابوں کے مطالعہ کے ذریعہ سمجھ سکتے ہیں۔ برادران وطن سے گفتگو میں اس نظام کے بعض پہلوؤں کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کی تردید اور اسلام کے تصور مساوات کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات اور عملی واقعات بتائے جاسکتے ہیں۔ برادران وطن میں دلت، دیگر محروم ومظلوم طبقات اور آدی باسی ذات پات کے نظام سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ اسے ظالمانہ اور بے رحمانہ نظام تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ مذہب اور خدا سے ان کی نفرت کی ایک وجہ یہی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مذاہب اور خدا ایسے ہی ہوتے ہیں۔

ذات پات کے نظام کے بارے میں ہندو مذہبی رہ نما، تاریخ داں اور دانشوران متفق نہیں ہیں۔ اس کے قیام کی بنیادوں سے لے کر اس نظام کی تفصیلات، ضرورت، فائدے اور نقصانات کے سلسلے میں ان کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں۔

ذات پات کے نظام کی مذہبی بنیاد رگ وید اور منواسمرتی میں باقاعدہ موجود ہے۔ حافظ محمد شارق لکھتے ہیں ''ویدوں میں پرش سکت میں اگرچہ ''پرش'' سے مختلف طبقات کے انسان پیدا کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ درج ذیل حوالہ ملاحظہ کریں: برہمن پرش کے دماغ (سر) سے پیدا ہوئے، چھتری کا اس کے بازوؤں سے ویشیہ اس کی رانوں سے اور اس کے پاؤں سے شودر پیدا ہوئے۔''

(رگ وید۔منڈل ۱۰۔سکت ۹۰ منتر ۱۲) ممکن ہے کہ بالکل آغاز میں پیشوں کی بنیاد پر چار مختلف طبقے وجود میں آئے ہوں۔لیکن بعد میں چاروں طبقات پر مشتمل مذہبی بنیادوں پر ایک سخت نظام قائم ہوگیا۔ یہ نظام اپنی تمام تر سختیوں اور پابندیوں کے ساتھ تقریباً تین ہزار سال تک چلتا رہا۔آج بھی اس کے سماجی،نفسیاتی،تعلیمی،معاشی اور دیگر اثرات ختم نہیں ہوئے ہیں۔

چار الگ الگ ذاتیں درج ذیل ہیں۔

۱-برہمن

یہ سب سے اعلیٰ درجہ پر ہیں۔ان کی حیثیت ورن ویوستھا میں سب سے اوپر ہے۔ان کو زمین کا دیوتا (بھودیو) کہا گیا ہے۔ان کا کام ویدوں کی تعلیم حاصل کرنا اور مذہبی کاموں کی انجام دہی اور نگرانی کرنا اور نذرانے وصول کرنا ہے۔

۲-چھتری

یہ دوسرے درجے پر ہیں۔ان کا فرض ملک کا دفاع کرنا اور جنگ لڑنا ہے۔

۳-ویشیہ

یہ تیسرا درجہ ہے۔ان کی ذمہ داری تجارت اور زراعت وغیرہ کے ذریعہ مال و دولت بڑھانا ہے۔

۴-شودر

یہ چوتھا یعنی سب سے نیچے کا درجہ ہے۔اپنے سے اوپر والے تینوں درجے کے افراد کی خدمت کرنا،ان کو خوش رکھنا۔ان کا یہ فرض بھی ہے اور اصل دھرم بھی ہے۔ان کے کوئی حقوق نہیں ہیں۔

لالہ لاجپت رائے اس نظام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میرا پختہ عقیدہ ہے کہ اپنے ہم جنسوں کے ساتھ بے انصافی برتنا،ان پر ظلم کرنا،انسانوں کی جائز امنگوں کا گلا گھوٹنے کی کوشش کرنا اور دوسروں کی مصیبت سے فائدہ اٹھانے کے لیے انھیں دبائے رکھنا ایسے مظالم ہیں جنہیں روا رکھنے والے خود کو ان کے اثرات سے بچا نہیں سکتے۔جلد یا دیر انھیں بھی اس قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ان کے بچاؤ کا

صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی شدت کا احساس کرتے ہوئے ان کا کفارہ ادا کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔'' (آریہ سماج کی تاریخ، صفحہ ۱۵۷)

چوتھے درجے میں شودروں کا جو طبقہ تھا ان کے لیے تعلیم حاصل کرنے، روزگار کی آزادی اور انسانی حقوق کا احترام اور حفاظت کے تمام راستے بند ہو گئے۔ سب سے بڑا مسئلہ انسان کی عظمت، شرف اور تکریم کا تھا۔ شودروں کی حیثیت جانوروں سے بھی بدتر تھی۔ اس طرح انسانی خودی، انسانی مساوات اور سماجی انصاف کا حصول تو درکنار وہ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے درج ذیل تحریروں کو ملاحظہ کریں:

- ''جو کسی برہمن کو جسمانی خرابی پہنچانے کی محض دھمکی بھی دیتا ہے تو وہ تامسر نامی دوزخ میں سو سال تک بھٹکتا رہتا ہے۔'' (منو۔ باب ۴، اشلوک ۱۶۱)
- ''برہمن کی ملکیت کی گائے چرانے یا دوسرے مویشی چرانے والے (مجرم) کا آدھا پاؤں کاٹ دینا چاہیے۔'' (منو باب ۸ اشلوک ۳۲۵)
- ''شودر اگر کسی برہمن کی نشست پر محض بیٹھنے کی کوشش بھی کرے تو اس کے کولہے داغ دیے جائیں گے یا بادشاہ اس کے کولہوں پر شگاف لگوائے گا۔'' (منو باب ۸۔ اشلوک ۲۷۴)
- اگر شودر تین اعلیٰ ذاتوں میں سے کسی کی ذات یا شخصیت کا گستاخانہ ذکر کرتا ہے تو لوہے کی سرخ گرم دس انگل لمبی سلاخ اس کے منہ میں گھسیڑ دی جائے۔ اگر وہ برہمن کو اس کے فرائض یاد دلائے تو بادشاہ اس کے کان میں اور منہ میں گرم تیل ڈلوا دے۔''

(منو باب ۸ اشلوک ۲۶۳، م ۲۶۴)

چنانچہ شودروں پر مذہبی اور عمومی تعلیم کے دروازے بند ہو گئے۔ ان کو جائداد بنانا منع تھا۔ ہر شہر یا گاؤں کے باہر شمشان گھاٹ کے قریب ان کو رہنے کی اجازت تھی۔ سڑک پر بالکل کنارے چلنا ضروری تھا۔ مندر کے سامنے سے نہیں گزر سکتے تھے۔ مندر میں داخل ہونے کی اجازت بالکل نہیں تھی۔ پینے کے پانی کے تالاب سے پانی نہیں لے سکتے تھے۔ غرض یہ کہ بحیثیت انسان زندگی جینا تو ممکن نہ تھا البتہ جانوروں کی سی زندگی بسر کرنا تھا۔ کتا اور بلی ان سے بہتر زندگی بسر کرتے تھے۔

اس نظام کے خلاف کئی اصلاحی تحریکیں اٹھیں۔شودر اور ہریجن وغیرہ القاب کی ممانعت ہوگئی ہے۔اب 'دلت' یا 'مول نواسی' یا 'انوسوچت' جاتیاں کہلاتے ہیں۔آزادی کے بعد ان کے حالات بدلے ہیں۔ان کے قائدین کی لمبی فہرست ہے۔ان لوگوں نے بہت زبردست جدوجہد کی۔ان میں زیادہ مشہور جیوتی باپھلے شاہو مہاراج، ڈاکٹر امبیڈکر، راما سوامی نائیکر اور کانشی رام وغیرہ ہیں۔ڈاکٹر امبیڈکر دستور ساز اسمبلی کے صدر تھے۔دستور ہند میں دلتوں، اقلیتوں اور مذہبی گروہوں کو بہت سارے دستوری تحفظات اور حقوق دیے گئے ہیں۔خاص طور پر آدی باسیوں، میں دلتوں اور دیگر مظلوم ومحروم طبقات کو مراعات (ریزرویشن) دیا گیا ہے۔

جب مسلمان اس ملک میں آئے تو توحید اور انسانی مساوات کا عظیم نظریہ ساتھ لے کر آئے۔آنے والوں کا عمل اس نظریہ کا ترجمان تھا۔مسلمان ان شودر کہلانے والوں کے ساتھ مل جل کر رہتے اور ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔اس کے ساتھ وہ یہ عجیب وغریب منظر بھی دیکھتے تھے کہ مسجد میں نماز کے موقعوں پر کندھے سے کندھا ملا کر عبادت کرتے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

پنڈت جواہر لال نہرو اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندوستان کی تاریخ میں شمال مغربی ہند کے فاتحین اور اسلام کی آمد کی بڑی اہمیت ہے۔ اس نے ہندو معاشرہ کے فساد کو ظاہر کر دیا۔اس نے طبقاتی تقسیم، چھوا چھات اور ہندوستان کی دنیا سے علیحدگی کو بھی نمایاں کر دیا۔اسلامی اخوت ومساوات نے جس پر مسلمانوں کا ایمان وعمل تھا ہندوؤں کے ذہنوں پر بڑا گہرا اثر ڈالا اور اس سے خاص طور پر وہ محروم لوگ زیادہ متاثر ہوئے جن پر ہندوستانی معاشرہ نے برابری اور انسانی حقوق سے استفادہ کا دروازہ بند کر رکھا تھا۔(Discovery of India 1946 P.225)

(بحوالہ تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، ص ۴۵)

غرض ذات پات کا نظام خواہ پیشوں کی وجہ سے قائم کیا گیا ہو یا مذہبی بنیادوں پر ایک حقیقت ہے۔برادران وطن میں سے دلت، مظلوم ومحروم طبقات اور آدی باسی ذات پات کے

نظام کو غلط سمجھتے ہیں۔ان سب کو اسلام کی تعلیمات میں خدا کا صحیح تصور اور صفات سمجھانا چاہیے۔ اس کے سامنے انسانی مساوات کی قرآن وسنت میں بیان ہوئی تعلیمات کو پیش کرنا چاہیے۔اس سے وہ بے حد متاثر ہوتے ہیں۔ انسانی مساوات اور سماجی انصاف کے واقعات ضرور بتانا چاہیے۔آج کے اس دور میں بھی مسجدوں میں پنج وقتہ نماز باجماعت،نماز جمعہ وعیدین اور حج کے مواقع پر جس طرح ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر مسلمان عبادت ادا کرتے ہیں وہ انسانی برابری کا زبردست عملی نمونہ ہے۔اس سلسلے میں صرف ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔مسلمانوں میں کہیں کہیں برادری واد پایا جاتا ہے۔اس بارے میں ان کو بتانا چاہیے کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں یہ بالکل نہیں پایا جاتا۔اس ملک میں مسلمانوں نے دیگر سماجوں سے متاثر ہوکر اس کو اختیار کرلیا ہے۔مسلمانوں کا پڑھا لکھا اور باشعور طبقہ اس کے خلاف ہے۔ اس پہلو سے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے برابر کوششیں ہورہی ہیں۔ ہمارے ملک بھارت اور ایک دو پڑوسی ملکوں کے سوا ساری دنیا کے مسلمانوں میں ذات برادری کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

وحدتِ ادیان کی حقیقت

دعوتی کام کرنے والوں کو بعض عملی مسائل پیش آتے ہیں اور ان کو بروقت حل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ایسا نہ کیا جائے تو اسلام کے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں، بلکہ حق کو چھپانے جیسا سنگین معاملہ پیش آسکتا ہے۔ ان مسائل میں سرفہرست وحدتِ ادیان کا مسئلہ ہے۔ وحدتِ ادیان کا مطلب یہ ہے کہ تمام مذاہب کو برحق تسلیم کیا جائے۔ کسی ایک مذہب کے بارے میں یہ تسلیم نہیں کیا جائے کہ وہی مذہب برحق ہے اور دوسرے مذاہب برحق نہیں ہیں۔

یہ نہایت ہی حساس مسئلہ ہے۔ مخاطبین کو اس مسئلے کے سلسلے میں مطمئن کرنا آسان نہیں ہے۔ لیکن اس کے لیے کوشش کرنا ضروری ہے۔ کیوں کہ اپنے مذہب اور عقیدہ سے ہر شخص کو خواہ وہ اس پر اپنی زندگی میں عمل نہ کرتا ہو، عقیدت اور جذباتی لگاؤ ہوتا ہے۔ آپ کے طرزِ عمل یا آپ کی گفتگو اور باڈی لینگویج سے یہ تاثر نہیں ملنا چاہیے کہ آپ اس کی تائید کررہے ہیں۔

وحدت ادیان کی بات انفرادی ملاقات، وفد کی شکل میں ملاقات اور اجتماعی پروگراموں میں عموماً پیش آتی ہے۔

وحدت ادیان کی تردید کرنے سے پہلے درج ذیل باتوں کا خاص طور سے خیال رکھیں:

۱- اس مسئلے پر بہت محتاط ہوکر گفتگو کریں۔ جذبات میں آنا یا مشتعل ہونا نہایت ہی نقصان دہ ہے۔ اس کے نتیجے میں دعوت پر غور وفکر کی راہیں بند ہوجائیں گی۔

۲- مخاطب کو نہایت نرمی اور محبت بھرے انداز میں سمجھائیں کہ حق کی تلاش ہر انسان کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ یہ مسئلہ کسی مذہب کے افضل و برتر یا دوسرے مذاہب کے کم تر ہونے کا

نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ جو تمام انسانوں کا اکیلا خالق ہے اس کی جانب سے عطا کردہ حقیقی مذہب کو تلاش کرنے کا ہے۔

۳-ان پر یہ بات واضح کردیں کہ تمام مذاہب، مذہبی رہ نما اور عبادت گاہوں کا احترام ضروری ہے۔ وحدت ادیان کے مسئلہ پر گفتگو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کسی مذہب اور مذہبی رہ نما کی توہین کررہے ہیں۔

۴-اس اہم حقیقت کو بات چیت کے شروع میں ہی سمجھا دیں کہ فرض کریں کہ کوئی فرد پوری زندگی کسی نہ کسی مذہب پر چلتا رہے۔ کبھی اس کا جائزہ بھی نہ لے کہ کیا واقعی خالق نے آغاز انسانیت سے یہی مذہب عطا کیا تھا یا وہ کوئی دوسرا مذہب تھا؟ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی تو لازماً ہوگی وہاں پہنچ کر اگر بتایا جائے کہ تم نے خدا کے عطا کردہ راستے کو قبول کیا نہ اس پر چلے، تو کہیں ہمیشہ کی ناکامی مقدر نہ بن جائے۔ اس لیے ہر انسان کو خواہ کسی بھی مذہب کا پیرو ہو اس مسئلہ پر ضرور غور کرنا چاہیے۔ عام طور پر اہلِ مذاہب اپنے مذہب کے حق میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ آباواجداد اسی مذہب پر رہے تھے۔

۵-وحدت ادیان پر گفتگو کے موقع پر قرآن یا حدیث سے گفتگو شروع نہ کریں۔ کیوں کہ مخاطب ان کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ عقلی دلائل پیش کریں۔

وحدتِ ادیان کے ماننے والوں کے دلائل

وحدت ادیان کے حامیوں کا کہنا ہے کہ بھارت جیسے تکثیری سماج (Plural Society) والے ملک میں درج ذیل اسباب کی بنا پر اس فلسفے کو تمام مذاہب کے ماننے والوں کو قبول کرنا چاہیے۔

۱-اگر وحدت ادیان کو تسلیم نہ کیا جائے اور کسی ایک مذہب کے حق ہونے پر اصرار کیا جائے تو لازماً مذہبی بنیادوں پر خون خرابہ اور فساد برپا ہوگا۔ پرامن بقائے باہم کے لیے وحدت ادیان کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ قومی یکجہتی کا حصول وحدت ادیان ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔

۲-مشترکہ تہذیب (کمپوزٹ کلچر یا گنگا جمنی تہذیب) کی بقا اور فروغ کے لیے وحدت ادیان کو تسلیم کرنا ناگزیر ہے۔

۳-مذہبی رواداری کا تقاضا ہے کہ سارے مذاہب کو سچا تسلیم کیا جائے۔ اپنے مذہب کے حق ہونے پر جیسا یقین رکھتے ہیں وہی حیثیت سارے مذاہب کی ہے۔

وحدتِ ادیان کے غلط ہونے کے دلائل

دعوتِ دین کو درپیش مسائل میں وحدتِ ادیان کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ بہ ظاہر وحدتِ ادیان کو ماننے والوں کی باتیں بھلی اور خوش نما لگتی ہیں۔ لیکن اپنی حقیقت اور مضمرات کے لحاظ سے نہایت نقصان دہ اور تباہ کن ہے۔ اس لیے یہاں پوری تفصیل سے اس کے غلط ہونے کے دلائل پیش کیے جارہے ہیں۔

پہلی دلیل

وحدتِ ادیان کے حاملین سے سوال ہے کہ انسان کا سب سے پہلا دھرم کون سا تھا؟ مہربان خدا نے ہماری زندگی کے لیے ہر طرح کی سہولتیں اور تمام ضرورتوں کی تکمیل کا نہایت جامع اور مناسب انتظام کیا اور یہ وہی کرسکتا تھا۔ مثلاً ہوا، پانی، سورج کی گرمی، دن اور رات کا نظام وغیرہ۔ لیکن کیا اس نے انسان کی سب سے بڑی ضرورت یعنی مذہب یا زندگی کی اخلاقی اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے بغیر بھٹکنے کے لیے اس کو زمین پر اختیارات اور بے حساب نعمتیں دے کر بھیج دیا۔ عقل اور بصیرت کا جواب یہی ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ تو انسان پر بڑا ظلم ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں عادل، حکیم اور رحیم ہے۔ ان صفات کا تقاضا ہی دراصل مذہب کی صورت میں انسان کو ہدایت کا راستہ عطا کیا گیا ہے۔

اب سوال ہے کہ آغاز انسانیت میں کون سا مذہب انسان کو دیا گیا تھا؟ دیکھیے سناتن یا ویدک دھرم کی تاریخ ۵-۶ ہزار سال پرانی ہے۔ بدھ اور جین دھرم ۲۶۰۰ سال پرانے ہیں۔ عیسائیت کی ۲۰۰۰ سال کی تاریخ ہے۔ یہی حال دیگر مذاہب کا ہے۔ اسلام آغازِ انسانیت یعنی

آدمؑ اور حواؑ کے ساتھ ہی زمین پر آنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ انسانی زندگی کے لیے اولین Divine Manual ہے۔ جس طرح الیکٹرانک اشیا کے ساتھ اس کے بنانے والے Manual دیتے ہیں اسی طرح خالق نے انسان کی تخلیق کے ساتھ مقصد تخلیق، اپنا پسندیدہ طرز حیات، نظام حیات اور موت کے بعد نجات کے حصول پر مشتمل ہدایت نامہ بھیجا۔ انسان کا اولین مذہب اسلام ہے، دیگر مذاہب کی طرح اسلام کا کوئی بانی نہیں ہے۔ اسلام کے دو معنی ہیں: شانتی اور مکمل تابع داری واطاعت۔

واضح ہو کہ سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدمؑ سے لے کر آخری پیغمبر حضرت محمدؐ تک مسلسل پیغمبروں کے ذریعے اسلام کا پیغام اور تعلیمات ہر دور کے انسانوں تک پہنچائی گئیں۔

دوسری دلیل

اگر مذہبی کتابوں کے حوالے سے غور کریں تو دنیا میں مذاہب کی جتنی بنیادی کتابیں ہیں ان میں قرآن آخری کتاب ہے۔ اگر تمام مذاہب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور مذہبی کتابیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو ان سب کے ذریعہ ایک ہی راستہ ملنا چاہیے۔ الگ الگ، مختلف اور متضاد راستے نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح پیغمبروں اور نبیوں کی طرف سے ایک ہی راستہ ملنا چاہیے۔ جب کہ وہ خود کسی مذہب کے بانی بھی نہیں ہوتے بلکہ اللہ کی طرف سے اس کے پیغام کو پہنچانے پر مامور ہوتے ہیں۔ آج حقیقت کیا ہے؟ مذاہب کے راستے بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بعض جزوی باتوں میں اتفاق ہے۔ بنیادی باتوں میں شدید اختلافات ہیں۔ ایسی صورت میں غور کرنا چاہیے کہ سارے مذاہب کے برحق ہونے کی بات کیسے درست ہوسکتی ہے؟ تمام مذاہب کی بنیادی تعلیمات مشترک یعنی ایک خدائے لاشریک پر ایمان، اس کے پیغمبروں کی رسالت، موت کے بعد ابدی زندگی اور دنیوی اعمال کی باز پرس کا یقین ہونا چاہیے۔ کیا آج ایسا ہی ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔

تیسری دلیل

تھوڑی دیر کے لیے فرض کیجیے کہ سارے مذاہب سچے اور برحق ہیں۔ بعض بنیادی

تصورات کے تعلق سے مذاہب کی تعلیمات پر غور کیجیے تو فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔

۱-خدا کے بارے میں: ایک مذہب کے نزدیک خدا ایک ہے، لاشریک اور دوسرا کوئی خدا نہیں ہے۔ دوسرا مذہب کہتا ہے کہ خدا ایک ضرور ہے لیکن اس کا بیٹا ہے وہ بھی خدا یا اس کے ساتھ خدائی میں شریک ہے۔ تیسرا مذہب کہتا ہے کہ خدا ایک ہے لیکن اس کے ساتھ دو خدا مزید ہیں اور اس سے آگے ۳۳ کروڑ معاون خدا بھی ہیں۔ چوتھا مذہب کہتا ہے کہ خدا نہیں ہے۔ پانچویں مذہب میں نجات کے لیے خدا کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک ہی وقت میں یہ سب کے سب کیسے صحیح ہو سکتے ہیں؟ کوئی ایک عقیدہ صحیح ہوگا یا ہونا چاہیے۔

۲-موت کے بعد زندگی اور نجات کے بارے میں: موت کے بعد زندگی ہے یا نہیں اور انسان کے لیے نجات کی صورت کیا ہے۔ اس اہم مسئلے کا حقیقت اور سچائی پر مبنی علم ہر انسان کی اہم ترین ضرورت ہے۔

تمام مذاہب ایک خدا کی طرف سے ہیں تو ان کی تعلیم اور رہ نمائی بھی ایک ہونی چاہیے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کی رہ نمائی متضاد اور مختلف باتوں پر مشتمل ہو۔ انسان سمجھ ہی نہ پائے کہ آخر وہ ان میں سے کس بات کو حق سمجھے اور اختیار کرے۔

ایک مذہب کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد قیامت برپا ہونے پر انسان ازسرنو پیدا کیے جائیں گے، اعمال کی باز پرس ہوگی۔ ایمان اور عمل صالح ہوگا تو وہ فرد کام یاب ہوگا اور جنت میں داخل ہوگا۔ ابدی ناکامی کی صورت میں عذابِ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

ایک دوسرے مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ مرنے کے بعد نجات صرف اسی وقت ممکن ہوگی جب انسان خدا کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور خدا تسلیم کرے۔ اس تعلیم میں کوئی شریعت نہیں ہے جس پر عمل کرنا لازمی ہو اور آخرت میں اس کی اہمیت ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس حیثیت سے ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے وہ صلیب پر چڑھ کر اپنی جان دے چکے ہیں۔

ایک مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی انسان کی روح اس کے دنیوی اعمال (اچھے یا برے کرم) کی بنیاد پر ایک نیا قالب اختیار کر لیتی ہے۔ انسان اگلے جنم میں انسان بن

کر یا گدھا، بلی، بھینس پیڑ، پودا، سبزی، ترکاری بن کر پیدا ہوگا۔ پھر اس نئے جنم میں اعمال (کرم) کی بنیاد پر موت کے بعد ایک نئے قالب میں روح چلی جائے گی۔ غرض یہ کہ ۸۴ لاکھ مرتبہ پیدائش اور موت کا یہ سلسلہ جاری رہے گا اور بالآخر آتما یعنی روح جا کر پرماتما میں مل جائے گی نجات کا حصول اسی طرح ممکن ہے۔

دیگر مذاہب کو چھوڑ کر صرف مذکورہ تین مذاہب کی تعلیمات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں صرف ایک بات پر اتفاق ہے۔ یعنی مرنے کے بعد ابدی زندگی ہے۔ اس کے علاوہ نجات کا حصول اور دیگر بنیادی باتوں کے تعلق سے شدید اختلاف بلکہ تضاد پایا جاتا ہے۔ ایک ہی وقت میں کیا سب صحیح ہو سکتے ہیں؟ ان میں کوئی ایک تصور صحیح ہوگا۔ کیا اس کی تلاش ضروری نہیں ہے؟ اسی طرح جن بنیادی امور میں مذاہب کے درمیان اختلافات اور تضادات ہیں ان میں سے ایک یہ امر بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہدایت دینے کے لیے کیا انتظام کرتا ہے، انسانی تکریم اور مساوات کے متعلق مذاہب کیا تصورات پیش کرتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہاں بھی مذاہب میں اتفاق نہیں پایا جاتا بلکہ شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔

چوتھی دلیل

عقلی، سائنسی اور منطقی اعتبار سے غور کریں تو ایک خدا، ایک کائنات، ایک انسان اور ایک راہِ حق سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ لیکن خدا، کائنات اور انسان تو ایک اور راستے الگ الگ کیسے صحیح ہوگا؟

ان تفصیلات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام مذاہب خدا کی طرف سے نہیں ہیں۔ ان میں سے جو بھی اس کی طرف سے ہے اس کی تلاش اور تحقیق کرنا ہر انسان کی سب سے اہم اور بنیادی ذمہ داری ہے۔ یہ مسئلہ اس کی موجودہ دنیوی زندگی کی فلاح اور اخروی نجات کا ہے۔

قبولیتِ حق کے بعد کے مسائل اور ان کا حل

قبولیتِ حق کا مرحلہ

اسلام دین فطرت اور دین دعوت ہے۔ جب کسی کے سامنے اس کی دعوت حکمت اور عمدہ طریقے سے پیش کی جاتی ہے اور پیش کرنے والے کی زندگی اسلام کا عملی نمونہ ہوتی ہے تو عقل سلیم اور صحیح فطرت رکھنے والے انسان کے لیے اس کا انکار ممکن نہیں رہتا۔ چنانچہ وہ قبول حق کر لیتا ہے۔ ایسے انسان کے لیے سلامتی کی راہ کھل جاتی ہے۔ وہ دنیا کی سب سے قیمتی نعمت اسلام کی شکل میں پالیتا ہے۔

اسلام کی دعوت جیسے جیسے عام انسانوں تک پہنچائی جائے گی لوگ اپنی آزادانہ مرضی اور پسند سے قبول حق کرتے رہیں گے۔ قبولیت حق کا فیصلہ کسی بھی انسان کی زندگی کا سب سے بڑا اور اہم ترین فیصلہ ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اسے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ محرومیاں اور سماجی وخاندانی بائیکاٹ کی صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اسے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بھری پری دنیا میں وہ خود کو بالکل اکیلا محسوس کرتا ہے۔

نومسلم کی اصطلاح

مسلم سماج میں قبول حق کرنے والوں کو عام طور سے نومسلم کہا جاتا ہے۔ جب کسی کے سامنے تعارف کرانا ہوتا ہے تو نام کے ساتھ نومسلم ضرور کہا جاتا ہے۔ بظاہر تو اس کا سادہ مفہوم نئے مسلمان ہونے والے کا ہے لیکن برسوں بلکہ تاحیات کسی کو نومسلم کہہ کر تعارف کرایا جائے اور معاملات طے ہونے لگیں تو ایک طرح سے مسلم سماج میں ان کی ایک الگ شناخت بن جاتی

ہے۔ایک نیا طبقہ پیدا ہوجاتا ہے۔اس سے ایک مخصوص نفسیات، مزاج اور رجحان پرورش پاتا ہے اس لیے نومسلم کی اصطلاح کو ترک کردینا چاہیے۔ جب بھی ایسے فرد یا افراد جنھوں نے قبول حق کیا ہے، ان کا تعارف کرانا ہوتو ان کے نام کے ساتھ اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ انھوں نے کچھ سال قبل قبول حق کیا ہے۔ اس تحریر میں آئندہ ان کے لیے نو وارد دین یا نو ہدایت یافتہ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

تبدیلیِ مذہب کی اصطلاح

اسی طرح کی ایک اصطلاح تبدیلیِ مذہب ہے ۔اس کے متعلق یہ غلط فہمی دور کرنا ضروری ہے کہ قبول حق دراصل تبدیلیِ مذہب نہیں ہے۔انسان کی اصل فطرت ہی دین حق ہے۔ اس کی فطرت اور روح کی گہرائیوں میں ایک خالق، مالک اور پالنہار کی غلامی اور بندگی کا جذبہ پیوست ہے ۔اسلام توحید کا داعی اور شرک والحاد سے مکمل طور پر بچنے کا پیغام دیتا ہے اس لیے قبول حق دراصل اپنی فطرت کے اصلی مطالبے کی تکمیل ہے نہ کہ کسی مذہب کو ترک کرکے (یعنی تبدیلی مذہب) قبول اسلام ۔ویسے دستور ہند میں کسی مذہب پر عمل کرنے ،اس کی تبلیغ واشاعت کرنے اور اس کو قبول یا انکار کی آزادی حاصل ہے۔ یہ بھارت کے دستور کی دفعہ ۲۵ کے اندر بنیادی حقوق میں شامل ہے۔

مسلمانوں کی ذمہ داری

قبولیت حق کے بعد کے مسائل کے حل کی ذمہ داری مسلمانوں پر آتی ہے۔قبول حق کرنے والے مرد ہوں یا خواتین اپنے والدین ،اپنے قریبی اعزہ واقارب ،گھر، خاندان اور مال وجائیداد کی قربانی دے کر اسلام میں آتے ہیں۔وہ ایک نئے سماج میں ایسی حالت میں شامل ہوتے ہیں جب کہ ان کی مخالفت اور دشمنی ہورہی ہوتی ہے ۔اس لیے خاموشی ،سنجیدگی اور باوقار انداز میں ان کے مسائل کو حل کرنا چاہیے اور انھیں احساس محرومی اور تنہائی سے بچانا چاہیے۔ مستقل مزاجی کے ساتھ ان کے مسائل حل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بار بار دعائیں کرتے رہنا چاہیے۔

مسلمانوں کا رول ان کے تئیں مشفق سرپرست، مربی اور سچے ہمدرد کا ہونا چاہیے۔ ان کے مسائل کو حل کرنے کے سلسلے میں احساس ذمہ داری ہونا چاہیے۔ مسائل کے حل کے سلسلے میں سرد مہری یا لاپروائی کا مظاہرہ صحیح نہیں ہے، بلکہ گہری دل چسپی اور توجہ ہونی چاہیے۔ ان کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھنا، ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھنا اور اپنے لیے جو پسند کرتے ہیں وہی ان کے لیے بھی پسند کریں۔ ان کے مسائل کے حل کے لیے آغاز میں جوش، جذبہ اور دل چسپی کا مظاہرہ اس کے بعد عدم توجہی اور عدم دل چسپی نہیں ہونی چاہیے۔ ان نو واردین کا استقبال کرنا چاہیے اور ان کے مسائل کو سنجیدگی سے حل کرنے کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے لیے ادارہ جاتی کوششیں بھی کی جانی چاہییں۔

دعوت کا کام کرنے والی مختلف تنظیموں، اداروں، شخصیتوں اور بزرگوں کے درمیان نو ہدایت یافتہ مردوں اور خواتین کے مسائل کے حل کے سلسلے میں تعاون، تعلق اور ایک دوسرے سے ربط وضبط اور تجربات سے استفادہ کی فضا ضروری ہے۔

چند احتیاطی تدابیر

• قبولیت حق کے واقعات کو جگہ جگہ بیان کرتے رہنا مناسب نہیں ہے اس کے نقصانات ہیں۔ بعض ایسی تنظیمیں ہیں جو ان سے غلط فائدہ اٹھا کر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکانے کا کام کرتی ہیں۔ وہ مبالغہ آمیزی کے ساتھ جھوٹی افواہیں پھیلاتے ہیں۔ غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میڈیا کے ذریعہ ان واقعات کی تشہیر زیادہ نقصان دہ عمل ہے اس سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔ بعض مسلم تنظیمیں یا شخصیتیں اس کا کریڈٹ لینے کے چکر میں پبلسٹی کر بیٹھتی ہیں لیکن اس کا خمیازہ پوری ملت کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں بے جا جوش اور جذباتیت سے بچنا چاہیے۔

• قبولیت حق کے بعد مسالک اور جماعتوں اور تنظیموں کے حوالے سے ان کی صحیح اور مناسب رہ نمائی ضروری ہے۔ بعض نادان لوگ کسی مخصوص مسلک کو برحق اور دوسرے کو گم راہ قرار دے کر انھیں سخت الجھنوں اور پریشانیوں میں ڈال دیتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ اس قدر بیزار

ہوجاتے ہیں اور سوچنے لگتے ہیں کہ آخر مسلمانوں میں ایسا کیوں ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اسلام ہی سے دور ہوجائیں۔

مسالک کی صحیح حقیقت ان کو بتانا چاہیے کہ یہ سب برحق ہیں۔ ان کے سلسلے میں کفر و اسلام، افضل و برتر اور کم تر اور ہدایت یا گم راہی کا کوئی مسئلہ ہرگز نہیں ہے۔ سب مسالک قرآن وسنت کی بنیاد پر ہیں اور ان مسالک کے علاوہ براہِ راست قرآن وحدیث سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ نو واردین اسلام کا سرمایہ بن سکتے ہیں انھیں ضائع ہونے نہ دیں۔ یہ امت مسلمہ کا بہت بڑا نقصان ہوگا۔

● ہنگامی طور پر یا طویل عرصے کے لیے ان کو تعاون دینا ضروری ہو تو اس طرح ان کا تعاون کریں کہ ان کی عزّتِ نفس اور خودداری مجروح نہ ہو۔ ان پر احسان نہ جتایا جائے۔ نیز احتیاط برتیں کہ ان کو مستقل مانگنے کی عادت نہ پڑ جائے بلکہ ان کی تربیت اس طرح کی جائے کہ وہ اپنے معاشی مسائل کو خود حل کریں۔ کسی کے محتاج بن کر رہنا ہرگز پسند نہ کریں۔

ہنگامی اور مستقل تعاون کرنے سے پہلے حتی الامکان تحقیق کر کے ان کی صحیح صورت حال معلوم کرنا چاہیے۔

● قومی جذبے کو فطری حدود سے باہر نہ ہونے دیں، بلکہ ان کے اندر ایک نظریاتی، عالمی، آفاقی اور یونیورسل داعیِ امت کے افراد بننے کا جذبہ پیدا کریں۔ ان کو داعی بنانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ اپنے گھر، خاندان اور سماج میں داعی بن کر کام کریں۔

● برادری واد اور ذات پات کے زہریلے اثرات سے ان کو بچانا چاہیے۔ اسلام مساوات کا علم بردار ہے۔ برادری اور ذات صرف تعارف کے لیے ہے۔ اس کی بنیاد پر انسان کے درمیان تفریق کرنا نامناسب اور غیر فطری ہے۔ ان کو مسلم سماج میں پائی جانے والی تفریق کی حقیقت سے واقف کرانا چاہیے اور ان سے بچنے کی تلقین بھی۔ اور ان کو ایسے لوگوں سے ملانا چاہیے جو ان باتوں کو غلط سمجھتے ہیں۔

نو واردین کے بعض مسائل

نو واردین کے بعض مسائل کا یہاں تذکرہ کرنا مناسب ہوگا۔ تاکہ ان کے حل کے

بارے میں غور وفکر اور عملی طریقہ اختیار کرنے میں آسانی ہو۔

۱- کلمۂ شہادت کی ادائیگی کا مسئلہ
۲- اسلامی تعلیم اور تربیت
۳- جدید تعلیم کے حصول میں رہ نمائی اور تعاون
۴- مدارس دینیہ میں داخلہ
۵- قانونی مسائل
۶- شادی شدہ جوڑوں کے مسائل
۷- روزگار کے مسائل
۸- رہائش کے مسائل

نو واردین کے مسائل کا حل

نو واردین کے ان مسائل کے حل کے لیے کوئی ایک ہی قسم کی تدبیر یا ایک فائنل فارمولہ نہیں بنایا جاسکتا۔ کیوں کہ الگ الگ نوعیت کے مسائل ہیں اور ہر ایک کیس دوسرے سے مختلف بھی ہوتا ہے۔ بعض کیس سادہ، بعض پیچیدہ اور بعض تو بہت پیچیدہ ہوتے ہیں۔

ان مسائل کا حقیقی اور نہایت موثر حل تو مکہ اور مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کردہ مواخات کا نظم ہے۔ یہ حل فطری اور زیادہ کام یاب ہے۔ اس کے علاوہ جتنے حل سوچے جاتے ہیں، یا جن کے بارے میں عملاً کوششیں کی جاتی ہیں وہ سب اتنے کام یاب نہیں ہیں، وہ تمام حل غیر مستقل اور ناپائیدار ہیں۔

مولانا وحید الدین خاں اس ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''مکہ میں جن لوگوں نے اسلام قبول کرلیا ان میں کئی افراد ایسے تھے جو اسلام قبول کرنے کے بعد خاندان سے کٹ گئے تھے اس لیے ضرورت پیش آئی کہ ان کا کوئی انتظام کیا جائے۔ چنانچہ آپؐ نے مکہ میں ایسے افراد کا رشتۂ مواخات ایسے مسلمانوں کے ساتھ قائم فرمایا جو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی صاحب خاندان کی حیثیت رکھتے تھے۔

مواخات نے صرف یہی نہیں کیا کہ کچھ بے گھر لوگوں کے مسئلہ کو حل کیا اس نے اس بات کا عملی مظاہرہ کیا کہ اسلام میں اصل تعلق دین کا تعلق ہے بقیہ تمام حیثیتیں اضافی ہیں۔ چھوٹا بڑا، امیر غریب، گھر والا اور بے گھر والا سب اللہ کی نظر میں یکساں ہیں۔ تمام مادی اور سماجی امتیازات کو مٹا کر انھیں دین کی فطرت پر ایک ہو جانا چاہیے۔'' (سیرت رسولؐ، صفحہ ۹۲)

درج ذیل اقتباس ملاحظہ کریں۔

''مسلمان مکہ معظّمہ سے بے سروسامان آئے تھے، گو ان میں دولت مند اور خوش حال بھی تھے لیکن کافروں سے چھپ کر نکلے تھے اس لیے کچھ ساتھ نہ لا سکے تھے۔

اگرچہ مہاجرین کے لیے انصار کا گھر عام مہمان خانہ تھا تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی۔ مہاجرین نذر و نیاز اور خیرات پر زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے وہ دست و بازو سے کام لینے کے خوگر تھے۔ چوں کہ بالکل خالی تھے ایک حبہ تک پاس نہیں تھا اس لیے آں حضرتؐ نے خیال فرمایا کہ انصار اور ان میں رشتۂ اخوت قائم کر دیا جائے۔ آپ نے لوگوں کو طلب فرمایا (مہاجرین اور انصار جمع ہوئے)۔ مہاجرین کی تعداد پینتالیس تھی۔ آں حضرتؐ نے انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی ہیں۔ پھر مہاجرین اور انصار سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے: یہ اور تم بھائی بھائی ہو اور وہ حقیقت میں بھائی بھائی تھے۔ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دے دیا کہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔ سعد بن ربیعؓ جو عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بھائی قرار پائے ان کی دو بیویاں تھیں۔ انھوں نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ ایک کو میں طلاق دے دیتا ہوں آپ اس سے نکاح کر لیجیے لیکن انھوں نے احسان مندی کے ساتھ انکار کر دیا۔

انصار کا مال و دولت جو کچھ تھا نخلستان تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی یہ باغ ہمارے بھائیوں میں برابر تقسیم کر دیے جائیں۔ مہاجرین تجارت پیشہ تھے اس وجہ سے کھیتی کے فن سے بالکل نا آشنا تھے۔ اس بنا پر آں حضرتؐ نے ان کی طرف سے انکار کیا تو انصار نے کہا: سب کاروبار ہم خود انجام دے لیں گے جو کچھ پیداوار ہوگی اس میں نصف حصہ مہاجرین کا ہوگا۔

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کرے گی لیکن یہ بھی دیکھیے کہ مہاجرین نے کیا کیا۔

حضرت سعد بن ربیعؓ نے جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ایک ایک چیز کا جائزہ دے کر نصف

لینے کی درخواست کی تو انھوں نے کہا: خدا آپ کو یہ سب مبارک کرے، مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتا دیجیے۔ انھوں نے قینقاع کا جو مشہور بازار تھا اس کا راستہ ان کو بتا دیا۔ انھوں نے کچھ گھی اور کچھ پنیر خریدا اور شام تک خرید و فروخت کی۔ چند روز میں اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی کر لی۔ رفتہ رفتہ ان کی تجارت میں اتنی ترقی ہوئی کہ خود ان کا کہنا تھا کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے۔ ان کا اسبابِ تجارت سات سات سو اونٹوں پر لاد کر آتا تھا اور جس دن مدینہ میں پہنچتا تمام شہر میں دھوم مچ جاتی۔

مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لیے قائم کیا گیا کہ بے خانماں مہاجرین کا چند روز انتظام ہو جائے لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان مقصد مستقبل کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل کا سامان تھا۔

انصار نے مہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو حق ادا کیا دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جب بحرین فتح ہوا تو آں حضرتؐ نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ میں اس کو انصار میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے عرض کیا کہ پہلے ہمارے مہاجر بھائیوں کو اتنی ہی زمین عنایت فرمایئے تب ہم لینا منظور کریں گے۔''

ہم اب ذیل میں مسائل کے حل کے تعلق سے مختصراً کچھ باتیں عرض کیے دیتے ہیں۔ یہ کوئی حتمی چیز نہیں ہے اس سے بہتر باتیں سوچی جا سکتی ہیں۔ ہماری ان باتوں سے غور و فکر کرنے میں مدد ملے گی۔

۱-کلمۂ شہادت کی ادائیگی یا قبولِ حق

یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن کہیں کہیں اس کو مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔ ملک کے دستور میں اس کی گنجائش ہے۔ دستور ہند کی دفعہ ۲۵ شق (۱) کے تحت ''تمام اشخاص کو آزادیِ ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کرنے کا مساوی حق ہے۔ بشرطیکہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور دفعہ کی دیگر توضیحات متاثر نہ ہوں۔''

(بھارت کا آئین، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ص ۵۱)

دستور ہند کی یہ دفعہ ضمیر، مذہب اور عقیدہ کی آزادی تمام شہریوں کو عطا کرتی ہے۔ کسی مذہب کو قبول کرنا، اس کی پیروی کرنا اور اس کی تبلیغ کرنا ہر شہری کا دستوری حق ہے۔ یہ عمل دستور اور قانون کے خلاف نہیں ہے۔ اس عمل اور آزادی کے لیے بطور شرط امن عامہ، اخلاق عامہ اور صحت عامہ متاثر نہ ہو۔ یہ شرط ایک معقول شرط ہے۔ کوئی حکومت عقیدہ و مذہب کے غلط استعمال اور اس کے نتیجے میں امن عامہ، اخلاق عامہ اور صحت عامہ کو خطرے میں ڈالنا گوارا نہیں کرسکتی۔

متعلقہ اتھارٹیز پر یہ واضح کریں کہ اسلام میں زور زبردستی دین قبول کرانا بالکل منع ہے۔ اسی طرح پیسوں کا لالچ، ملازمت کی پیش کش اور شادی بیاہ کے لیے یا کسی دنیوی غرض کے لیے قبول حق کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر ان سب میں سے کسی وجہ سے بھی قبول حق کیا یا کرایا گیا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک بالکل قبول نہیں ہوگا۔ ایسے فرد یا افراد کو اگر تحقیق کے بعد یہ بات صحیح ہوئی تو اسلام چھوڑنا پڑے گا۔

۲- اسلامی تعلیم وتربیت

یہ سب سے بڑا اور بنیادی اہمیت کا مسئلہ ہے۔ نو وارد دین کو اس مسئلے کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہ کرنا چاہیے۔ وہ قرآن کی چند سورتیں اور نماز پہلے سیکھ لیں۔ کیوں کہ قبول حق کے چند گھنٹوں یا اس سے کم وقت میں نماز ادا کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ اسلامی تعلیم اور تربیت کے ضمن میں قرآن کی سورتوں کو یاد کرنا، وضو، غسل اور پاکی و ناپاکی کے مسائل اور نماز وغیرہ جاننا اور سیکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح ایمانیات اور عقائد کی تعلیم ابتدائی دنوں میں ضروری ہے۔

اس ضرورت کی تکمیل کے لیے مقامی طور پر انتظام ہونا چاہیے۔ مقامی دینی درس گاہوں میں سہ ماہی نصاب کے تحت ان کی تعلیم وتربیت کا نظم کردیا جائے، یا دینی جماعتوں کے مقامی نظم سے جوڑا جائے تاکہ وہ ان کے لیے تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام کرسکیں۔ ایک دینی جماعت نے کچھ مقامات پر مردوں اور عورتوں کے لیے چار سے چھ ماہ کا نصاب بنا کر نظم کیا ہے۔ مساجد میں تعلیم بالغان کا مرکز قائم کرکے اس ضرورت کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں اور لڑکیوں کے لیے بڑے شہروں میں صبح یا شام کی کلاسز، Weekend Classes کے ذریعہ اس کا

نظم ہوسکتا ہے۔ نیٹ کے ذریعہ بھی اس سلسلے میں رہ نمائی کر کے ابتدائی دینی تعلیم اور تربیت کی ضرورت پوری کی جاسکتی ہے۔ اگر نو واردین زیادہ وقت فارغ کرسکیں تو دینی تعلیم کے اداروں میں داخلہ کرانا بھی مناسب ہوگا۔

نو واردین کی اسلامی تعلیم وتربیت کے لیے راقم کے تجربے میں ایک کتاب بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ اس کتاب کا نام سچا دین ہے، اس کے ۴ حصے ہیں۔ یہ کتاب اردو، ہندی اور انگریزی میں دستیاب ہے۔ اس کتاب کو استاد کے بغیر بھی سبقاً سبقاً پڑھ کر محض چند ماہ کے اندر اچھی خاصی ابتدائی معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

۳- جدید تعلیم کے حصول میں رہ نمائی

نو واردین میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں وہ جدید تعلیم حاصل کر رہے ہوتے ہیں قبول حق کے بعد ان کے لیے ایک طرح کی ہنگامی صورت حال بن جاتی ہے جس کے نتیجے میں تعلیم جاری رکھنے میں انھیں کافی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ ان کی توجہ اور دل چسپی فوری پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے میں صرف ہوتی ہے۔ اس صورت حال میں ان کی صحیح رہ نمائی اور حسب ضرورت ان کا تعاون نہایت ضروری ہے۔ ورنہ اندیشہ یہ ہے کہ ان کی تعلیم ادھوری رہ جائے گی اور اس کے بہت بڑے نقصانات سے انھیں مستقبل میں دوچار ہونا پڑے گا۔ اسلامی اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو اس بارے میں سمجھایا جائے تن تنہا وہ کچھ کرنہیں پاتے۔ ان کا تعاون کیا جائے، تاکہ ایک حد تک وہ اپنی تعلیم کو پورا کرلیں اور اپنے معاشی مسائل حل کرلیں۔

ان کی تعلیمی سرگرمی کو جاری رکھنے کے لیے اسکالرشپ کی شکل میں مالی تعاون یا داخلہ اور امتحانی فیس کی ادائیگی وغیرہ میں مدد کی جاسکتی ہے۔ پروفیشنل کورس سے متعلق کاموں کے لیے کچھ صاحبِ خیر حضرات مل جل کر ان کا مالی تعاون کرسکتے ہیں۔

۴- مدارس دینیہ میں داخلہ

نو واردین کے بچوں اور بچیوں کے لیے ان کے والدین کی رضامندی سے دینی تعلیم کا

بندوبست کیا جانا چاہیے۔ اس سلسلے میں دینی مدارس اور ان کے کورس کے متعلق صحیح جانکاری ان کے والدین کو دینا چاہیے۔ مدرسے میں داخلے کے لیے کوشش کرنا چاہیے۔ حسب ضرورت مالی تعاون یا اسکالرشپ نیز مدارس میں فیس اور ہاسٹل کے اخراجات میں رعایت کرانا چاہیے۔

۵-قانونی مسائل

قبول حق کے بعد قانونی کارروائی کے طور پر مجسٹریٹ کے پاس وکیل کی معرفت ایک دستاویز تیار کرائی جاتی ہے اسے ایفی ڈیوٹ کہا جاتا ہے۔ اس کا پورا مضمون غور سے پڑھ لینا چاہیے۔ نام پتہ اور دیگر تفصیلات ٹھیک طور پر درج کرنا چاہیے۔ بعض لوگ ایفی ڈیوٹ نوٹری وکیل کے دستخط سے بنواتے ہیں اس کے بجائے مجسٹریٹ کے دفتر سے بنوانا چاہیے۔ قبول اسلام کی ایک سند گورنمنٹ قاضی جو Authorise ہوتے ہیں، ان سے بھی بنالینا چاہیے۔ اگر شادی ہوجاتی ہے تو نکاح نامہ (Certificate of Marriage) انگریزی میں پر کرائیں۔ ایفی ڈیوٹ میں جو نام ہے وہی نکاح نامہ میں درج کرائیں اور نکاح نامے کو وکیل کی معرفت Registered کرائیں۔ بعض لوگ کورٹ میرج پر زور دیتے ہیں۔ کورٹ میرج اسلامی طریقے سے نکاح کے مقصد کو پورا نہیں کرتا۔ اس کے ذریعہ رشتۂ زوجیت حلال بھی نہیں ہے۔ اس لیے اسلامی شریعت کے تحت نکاح لازمی ہے۔ بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر اور نو وارد کے والدین کے اصرار اور ان کی بعض مصلحتوں کی بنا پر کورٹ میرج کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔ یہ فیصلہ کافی غور وخوض کے بعد ہی کرنا چاہیے۔ کورٹ میرج کے بعد ازدواجی تعلق جائز نہیں ہوگا اس کے لیے نکاح لازمی ہے۔

قانونی مسائل کو صرف اپنے بل بوتے پر حل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ ان مسائل کے سلسلے میں اچھے وکیل/وکلا سے مشورہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح ہیومن رائٹس کی تنظیمیں، سماجی کارکنان اور خواتین کے مسئلے میں خواتین کمیشن اور خواتین کی این جی اوز (NGO's) سے حسب ضرورت تعاون لیا جاسکتا ہے۔

قبول حق کے بعد ضروری دستاویزات کی تیاری مثلاً پاسپورٹ، ووٹر آئی ڈی،

آدھار کارڈ، ڈرائیونگ لائسنس اور بینک اکاؤنٹ وغیرہ نئے نام سے بنوانے کی کوشش کرنی چاہیے۔تمام دستاویزات میں نام، ولدیت، پتہ، تاریخ پیدائش و دیگر تفصیلات ٹھیک درج ہونا ضروری ہے۔اس لیے ان سب کو سرسری طور پر نہیں غور سے چیک کرنا ہوگا۔

۶-شادی شدہ جوڑوں کے مسائل

شادی شدہ جوڑوں میں بالخصوص جب کہ نئی شادی ہوئی ہو آپس میں ناچاقی اور تنازع بھی پیدا ہوسکتا ہے۔کبھی کبھی تو طلاق تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ایسی صورت حال میں مسئلہ کا فوری نوٹس لینا ضروری ہوجاتا ہے۔اس میں تاخیر مناسب نہیں ہے۔دونوں سے بات چیت کرنے، نصیحت کرنے اور سمجھانے سے عام طور پر صورت حال ٹھیک ہوجاتی ہے۔اس کے بعد ازدواجی زندگی خوشگوار ہوجاتی ہے۔

۷-شادی کا مسئلہ

شادی کا مسئلہ سامنے آتے ہی نووارد کی ذات، حسب ونسب اور خاندان کے بارے میں تحقیق شروع کردی جاتی ہے۔نووارد کا تعلق دلت یا پسماندہ طبقات سے ہے تو پھر رشتہ نہیں ملتا۔جب تک ان طبقات سے روزی روٹی ہی نہیں بیٹی کا تعلق قائم نہیں ہوتا اس وقت تک ان کے نزدیک اسلام میں مساوات اور انسانی برادری، انسان کی تکریم اور عزت وعظمت صرف کتابوں، تحریروں اور تقریروں کی زینت مانی جائے گی۔

اس سلسلے میں مسلمانوں بالخصوص خواتین اور نوجوانوں کی ذہن سازی کی ضرورت ہے۔ذات برادری کے ناروا امتیازات سے مسلم سماج کو نکالنے کی ضرورت ہے۔کفو اور برادری کے تعلق سے معتدل اسلامی تعلیمات اور فکر کو عام کرنا چاہیے۔مروجہ غیر اسلامی تصورات سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔دینی تنظیمیں اپنے پروگراموں اور مختلف سرگرمیوں میں اس مسئلے کے تعلق سے ملت کی رہ نمائی کریں۔علمائے کرام اور ائمہ حضرات جمعہ کے خطبوں میں، عیدین اور نکاح کے مواقع پر رہ نمائی فرماتے رہیں۔

۸-روزگار کے مسائل

قبول حق کے بعد اگر نو وارد معاشی پریشانیوں کا شکار ہوجائے، ملازمت چھوٹ جائے یا کاروبار متاثر ہوجائے اور کچھ ہنگامی امداد کا خواہاں ہو تو تحقیق کے بعد اس کا تعاون کرنا چاہیے۔ زکوٰۃ میں ایک مد تالیف قلب کے ذریعہ مالی تعاون کیا جاسکتا ہے۔ ہنگامی اور عارضی امداد کا سلسلہ دراز نہ ہو اور ایسا نہ ہو کہ نو وارد مسلسل تعاون مانگتا رہے اور اسے تعاون دیا جاتا رہے۔ صحیح بات تو یہ ہوگی کہ اسے کچھ لوگ مل جل کر سہارا دیں تاکہ وہ اپنا کاروبار شروع کرے۔ اچھے مشورے دینا بھی نو وارد کی بڑی خدمت اور تعاون ہے۔ اس کے روزگار کے سلسلے میں یا ملازمت کے حصول میں اس کی رہ نمائی اور تعاون کیا جاسکتا ہے۔ بعض اوقات انھیں کمپیوٹر یا کوئی ہنر اور فن کا کورس کروا کر اس کے لیے روزگار کے حصول میں مدد کی جاسکتی ہے۔

غرض یہ کہ اسے معاشی اعتبار سے بے سہارا نہیں چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ ادھر ادھر لوگوں سے تعاون مانگتا رہے۔ اپنی عزت نفس اور خودی کو مجروح کرکے اس کے بعد اس کے لیے مانگتے رہنے کی ایک عادت سی بن جائے۔ اس کے نتیجے میں لوگ طعنے دیں۔ برا بھلا کہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح سے وہ فرد ضائع ہوجائے گا۔ اسے ملت کا سرمایہ بنانے کی کوشش کرنا چاہیے۔

۹-رہائش کے مسائل

بعض اوقات کسی نو وارد کے لیے فوری طور پر رہائش کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے، ہنگامی اور عارضی رہائش کے لیے کچھ انتظام کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ بڑے شہروں میں لیڈیز ہاسٹل ہوتے ہیں ان میں کچھ انتظام ہوجاتا ہے۔ کبھی گھروں میں رہائش کی سہولت فراہم کرنی پڑسکتی ہے۔ اس کے ساتھ مستقل رہائش کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ خواتین کی بعض اوقات شادی بیاہ کا نظم کرنا ان کے کئی مسائل کا حل ہوتا ہے۔

رہائش کے مسئلہ کو حل کرنے میں کرایہ پر کمرہ یا رہائشی مکان دلانا، سفارش کرنا اور ضروری کاغذات (Rent Agreement) تیار کرانا وغیرہ شامل ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی مسائل ہو سکتے ہیں۔ان سب مسائل کے تعلق سے جذباتی انداز اور جلد بازی سے بچ کر سنجیدگی، مشاورت اور ملکی قانون کے حدود میں رہ کر حل تلاش کرنا چاہیے۔ مسائل کے تعلق سے دل چسپی، توجہ اور حساس ہونا ضروری ہے۔لاپروائی، ٹال مٹول اور غیر حساس نہیں ہونا چاہیے۔کبھی کوئی غیر قانونی کام نہیں کرنا چاہیے اور کسی کا اس طرح کے غیر قانونی کاموں میں تعاون بھی نہ کریں۔جو کام بھی کریں ملک کے دستور اور قانون کے دائرے میں رہ کر کریں۔

مسائل حل نہ کرنے کے نقصانات

نو واردین کے مختلف مسائل کو حل کرنا، اس کے لیے وقت فارغ کرنا، اپنی صلاحیتوں اور اوقات کا استعمال کرنا ان پر کوئی احسان نہیں ہے یہ شرعی اور دینی ذمہ داری ہے۔وقت اور حالات کے حوالے سے یہ دین وایمان کا اہم ترین تقاضا ہے۔اس کو نظر انداز کرنے یا اس ذمہ داری کو ادا نہ کرنے کے نقصانات بھی زیادہ ہیں۔یہ سب ملت کے کھاتے میں جمع ہوگا۔بعض نقصانات کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ یہ بات عرض کی گئی ہے کہ نو واردین کے مسائل کو حل کرنا شرعی اور دینی ذمہ داری اور حالات کا ایک اہم تقاضا ہے۔ظاہر ہے کہ اس کو پورا نہ کیا جائے تو یہ ایک طرح کی شرعی ذمہ داری سے فرار اور جرم ہے۔اس کے نتیجے میں ارتداد کا اندیشہ ہے۔کیوں کہ نو واردین کی اسلامی تعلیم وتربیت کا انتظام نہ ہو اور ان کے مسائل کو حل کرنے کی کوئی کوشش بھی نہ ہو تو وہ خود کو بے سہارا سمجھ کر جیسے قبول حق کیا تھا ویسے ہی دور ہو سکتے ہیں۔گھر واپسی کی تحریک بھی چل رہی ہے۔

نو واردین کے مسائل سے غفلت کے نتیجے میں اسلام اور مسلمانوں کی پوزیشن خراب ہوگی۔اسلام کی تعلیمات، حقوق العباد، مسلمانوں کے حقوق، بھائی چارہ اور اخوت کے بارے میں شک پیدا ہوگا۔کیوں کہ عملی نمونے تو ہوں گے نہیں صرف کتابوں میں یہ باتیں ہوں گی۔

ان سب کا ایک نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے آنے والوں کی حوصلہ شکنی ہوگی۔نو واردین کو مسائل میں گھرے ہوئے دیکھ کر اور بے یار و مددگار پا کر کس کی ہمت ہوگی کہ وہ خود قبول حق کر کے ایسے مسائل میں گھر جائے اور اپنی زندگی کو اپنے ہی ہاتھوں سے پریشانیوں میں مبتلا کر لے۔

نو ہدایت یافتگان کی ذمہ داری

پچھلے صفحات میں بہت تفصیل کے ساتھ نو ہدایت یافتگان کے مسائل اور ان کے حل کے سلسلے میں مسلمانوں کی ذمہ داریوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مسلمان جو کوشش کریں گے وہ ان پر احسان نہیں ہے بلکہ یہ ان کا حق ہے۔ یہ مسلمانوں کا دینی، شرعی اور اخلاقی و انسانی فریضہ ہے۔ اس سے غفلت کے نہایت مہلک نتائج و اثرات ہوں گے۔ لیکن اس کا دوسرا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ نو ہدایت یافتگان بھی اپنی ذمہ داری محسوس کریں۔

یہ بات صحیح ہے کہ انھوں نے بڑی قربانی دے کر حق سامنے آنے کے بعد اس کو سمجھ کر اور جان کر اپنی مرضی سے قبول کیا۔ اس راہ میں آزمائشوں اور بعض اوقات خطرات سے دو چار ہوئے، کچھ رشتوں کی جدائی، کچھ اپنوں کی شدید ناراضگی اور معاشی و معاشرتی مشکلات کو جھیلا۔ انھوں نے یہ سب کچھ صرف اللہ کی رضا پانے اور آخرت میں جنت کے حصول اور عذاب جہنم سے بچنے کے لیے کیا۔ اخروی فلاح اور نجات کے لحاظ سے یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی کام یابی نہیں ہوسکتی۔ انھیں اپنے قلب و روح کی گہرائیوں سے اس نعمت کے حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیے۔ ان کی سابقہ زندگی کے تمام گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتا ہے۔ زندگی کی آخری سانس تک اس پر قائم رہنے کا عزم کرکے اپنی زندگی کو اسلام کا نمونہ بنانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ مسلم معاشرہ کے عمومی بگاڑ سے اپنی زندگی کو پاک صاف رکھ کر اصلاح معاشرہ کی کوششوں میں تعاون بھی کرنا چاہیے کیوں کہ وہ اب اسی معاشرے کا ایک اہم جز ہیں۔

اپنے مسائل کے حل کے لیے مسلم معاشرہ سے جتنا بھی تعاون مل رہا ہے اسے وہ قبول کریں۔ البتہ اس پر انحصار بھی نہ کریں۔ اپنے طور پر بھرپور کوشش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں کرتے رہیں کہ مسائل کو وہی حل فرمانے والا ہے۔ اگر اس میں کچھ تاخیر ہورہی ہے تو کبھی مایوس اور ناامید نہ ہوں۔ کبھی گھبرائیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ رکھیں۔ کبھی آزمائش اور امتحان کے طور پر آپ کے لیے مشکل اور تکلیف دہ حالات ہوسکتے ہیں۔ لیکن یقین رکھیں کہ حالات ہمیشہ کبھی یکساں نہیں ہوں گے۔ ایک نہ ایک دن مشکلات اور پریشانیاں دور ہوجائیں گی۔

ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے دنیا کی زندگی جیل خانہ کی طرح ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الزید والرقائق حدیث نمبر:۲۹۵۶) بے صبری اور جلد بازی میں اللہ کو ناراض کرنے والا کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ کسی سے تعاون نہیں مل رہا ہے تو اس سے ناراض اور بددل نہ ہوں۔ صبر اور ہمت وحوصلے سے کام لیں۔ ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ مومن ومسلم بندے کا عجیب حال ہوتا ہے۔ کوئی تکلیف اور مصیبت سے وہ دوچار ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے اور کوئی نعمت ملتی ہے تو شکر ادا کرتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۷۴۲۵) اس طرح صبر اور شکر کی حالت میں پوری زندگی گزار دیتا ہے۔ مومن یقین رکھتا ہے کہ دنیا کی ہر تکلیف اور مصیبت چند روزہ اور عارضی ہے۔ مومن کی نظر میں اس دنیا کے بعد آخرت والی ہمیشہ کی زندگی میں دوزخ کے عذاب سے نجات، جنت پانے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے پر رہتی ہے۔ وہ کسی لمحہ ان چیزوں سے غافل نہیں ہوتا۔

اسلامی تعلیمات میں ایک اہم تعلیم قناعت اور کفایت شعاری ہے اور اپنے دل کو ہر طرح کی حرص ولالچ سے پاک رکھنا ہے۔ قناعت کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ نے جو بھی عطا کیا ہے اس پر دل سے راضی رہنا، مطمئن اور خوشی کے ساتھ زندگی بسر کرنا، ناشکری سے بچنا، دوسروں کو زیادہ نعمتیں ملی ہیں تو دل کو کسی طرح کے حسد یا جلن سے پاک رکھنا، یہ سمجھنا کہ اللہ اپنے فیصلے سے کسی کو کم کسی کو زیادہ نعمتیں، مال ودولت اور اسباب عطا فرماتا ہے۔ جن کو زیادہ ملا ہے وہ بہت بڑے امتحان میں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت اور مصلحت سے کم عطا کیا گیا ہے وہ بھی امتحان میں ہیں۔ ہر نعمت کے بارے میں آخرت میں ضرور پوچھا جائے گا کہ تم نے ان نعمتوں کو پا کر کیسا رویہ اور کیا طرزِ زندگی اختیار کیا۔ ایک حدیث کا خلاصہ ہے کہ تم دنیا کے معاملے میں اپنے سے کم تر لوگوں کو دیکھو، تاکہ ان کے مقابلے میں اللہ نے جو کچھ بھی تم کو دیا ہے اس پر شکر کرسکو۔ (صحیح بخاری:۶۴۹۰) (صحیح مسلم:۷۴۲۸) (صحیح مسلم:۷۴۳۰) دین کے معاملے میں اپنے سے اوپر والوں کی دیکھو، اس کے نتیجے میں تمہارے اندر اور زیادہ دین پر چلنے اور عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

قناعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جو کچھ مال واسباب اور نعمت حاصل ہے اس پر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں اور کوئی کام کاج نہ کریں۔ تدبیر اختیار کریں بلکہ جائز اور حلال روزی حاصل کرنے کے لیے جائز طریقوں سے کام کاج کریں۔ نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ بھروسہ

اپنی کوششوں اور تدبیروں پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر رکھیں۔ وہ آپ کی کوششوں کو کام یاب کرنے والا ہے۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ کسی سے مانگنے، کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی نوبت کم ہی آئے اور بہت زیادہ مجبوری کی بنا پر کبھی کسی سے مانگنا ضروری ہو تو یہ الگ بات ہے۔ اس کو اپنی ضرورت کی حد تک گوارا کیا جاسکتا ہے۔ کبھی قرض لینے کی ضرورت پیش آجائے تو قرض حاصل کرلیں لیکن نیت جلد سے جلد لوٹانے کی کریں اور اس کی واقعی کوشش بھی کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا بھی کرتے رہیں۔ بدقسمتی سے مانگنے کے دو ایک واقعہ میں کوئی خرابی ہوئی ہو تو تاثر یہ پیدا کیا گیا ہے کہ نو وارد ین بس مانگتے ہی رہتے ہیں۔ جتنا بھی انھیں دیا جائے کم لگتا ہے۔ اس تاثر کو غلط ثابت کردیں۔

نو ہدایت یافتہ خواتین سلائی کڑھائی، کمپیوٹر یا کوئی ہنر سیکھ کر مختصر آمدنی حاصل کرسکتی ہیں۔ بعض تعلیم یافتہ خواتین ٹیوشن کے ذریعہ بھی آمدنی میں اضافہ کرسکتی ہیں۔ اخراجات خواہ گھریلو ہوں یا کوئی اور اس میں کسی طرح کی فضول خرچی نہ کریں۔ ہر ماہ کے اخراجات کے ساتھ ہی کوشش کریں کہ کچھ نہ کچھ بچت ہوتی رہے۔

دعوت اور کلمۂ سواء

دعوت دین پیش کرتے ہوئے ایک سوال مدعو اور داعی کے درمیان کلمۂ سواء یا مشترک نکات کی تلاش ہے۔ داعی کے مخاطب بالعموم مختلف مذاہب، عقائد اور نظریات کے ماننے والے ہوتے ہیں۔ داعی اور مخاطب کے درمیان اگر مشترک قدریں تلاش کر کے آغاز گفتگو میں ان کا تذکرہ کیا جائے تو اس سے کئی فائدے حاصل ہوں گے۔ ان باتوں کے تذکرے سے ایک طرح کی قربت بڑھ جائے گی۔ انھیں یہ احساس نہیں ہوگا کہ کوئی باہری تعلیم ان پر مسلط کی جارہی ہے۔ اسلام کے متعلق جو غلط فہمی پیدا کی جارہی ہے کہ یہ نعوذ باللہ دہشت گردی کی تعلیم دینے والا مذہب ہے، یا اس میں انتہا پسندی اور شدت پسندی ہے۔ ان کے ازالے کے لیے مشترک نکات مفید ثابت ہوں گے۔ مشترک نکات کو سامنے رکھ کر دعوت پیش کرنے کے نتیجے میں ان کے اندر یہ احساس پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ انہی کے تصورات، بعض تعلیمات اور قدروں کا تحریفات اور ترمیمات سے پاک جامع تسلسل ہے۔ کوئی نیا عقیدہ، تعلیم اور قدریں نہیں ہیں۔ اسے قبول کرنے یا رد کرنے کا مرحلہ تو بعد کا ہے کم از کم اس کو غور و خوض کے لیے سامنے رکھا جاسکتا ہے۔ ان کو یکسر نظر انداز کرنا معقول رویہ نہیں ہوگا۔

کلمۂ سواء (مشترکہ نکات) کے حق میں قرآن مجید کی درج ذیل آیت پیش کی جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ

تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴿۶۴﴾ (آل عمران: ۶۴)

''آپ کہہ دیجیے، اے اہلِ کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دیں اس بات کے گواہ رہو کہ بے شک ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔''

اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلے میں مفسرین عیسائیوں کے وفد نجران کی مدینہ آمد (۹ھ) کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی لکھتے ہیں:

''یہ آیت عیسائیوں کے وفد نجران کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ اس لیے بعض مفسرین کے نزدیک اس میں اہل کتاب سے نصاریٰ مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔ اس کی دلیل انھوں نے یہ دی ہے کہ اس آیت میں جن تین باتوں سے روکا گیا ہے ان کا ارتکاب نصاریٰ کرتے تھے۔ وہ مسیح کی بندگی کرتے تھے۔ اللہ کے ساتھ انھوں نے دوسروں کو شریک کر رکھا تھا۔ اور باپ، بیٹا اور روح القدس پر مشتمل اقانیم ثلاثہ کا عقیدہ رکھتے تھے، اور انھوں نے احبار و رہبان کو اپنا رب بنالیا تھا۔ دیگر مفسرین نے اس خطاب میں یہود و نصاریٰ دونوں کو شامل کیا ہے۔''

(تفسیر کبیر ۸/ ۸۰-۸۱ بحوالہ اہل مذاہب کو قرآن کی دعوت، ص ۶۱)

ڈاکٹر صاحب مزید تحریر کرتے ہیں:

''اس آیت میں اہل کتاب کو مخاطب کر کے انھیں کلمۂ سواء کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ اس سے مراد وہ بات جو عدل و انصاف پر مبنی ہے، سیدھی سچی ہے اور سب کے درمیان مشترک ہے۔ کلمۂ سواء سے مراد توحید ہے جو حقیقت میں تمام انبیاؑ کی بنیادی دعوت ہے۔ اسی کی طرف حضرت موسیٰؑ (جن پر یہود ایمان رکھتے ہیں) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جن پر نصاریٰ کا ایمان ہے) نے بھی دعوت دی تھی اور اسی کی طرف آخری نبی حضرت محمد بھی دعوت دے رہے ہیں۔'' (اہل مذاہب کو قرآن کی دعوت، ص ۶۲-۶۳)

مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کی یہ تفسیر کرتے ہیں:

''اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہش مند ہو جو عقائد ونظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہوسکتا ہے، جیسے رسول اللہؐ نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی تو ایسے مسئلہ کی طرف دی جس پر دونوں کا اتفاق تھا یعنی اللہ کی وحدانیت پر۔'' (معارف القرآن جلد دوم، ص ۸۷)

''اس آیت کے آخر میں جو فرمایا گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں اس سے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب دلائل واضح ہونے کے بعد بھی کوئی حق کو نہ مانے تو اتمام حجت کے لیے اپنا مسلک ظاہر کر کے کلام ختم کر دینا چاہیے۔ مزید بحث وتکرار کرنا مناسب نہیں ہے۔'' (ایضاً ص ۸۸)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ اس آیت کی یہ تشریح کرتے ہیں:

''سواء کے معنی وسط کے ہیں۔ جو چیز دو جماعتوں کے بیچوں بیچ ہوگی وہ دونوں میں یکساں مشترک، مسلم اور جانی پہچانی ہوئی ہوگی۔ توحید کے متعلق قرآن مجید کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان یکساں مشترکہ کلمہ ہے۔ قرآن نے اسی مشترکہ کلمہ کو بنیاد قرار دے کر ان سے بحث کا آغاز کیا ہے کہ جب توحید تمہارے اور ہمارے درمیان ایک مشترکہ حقیقت ہے تو موازنہ کرو کہ اس قدر مشترک کے معیار پر قرآن اور اسلام پورے اترتے ہیں یا یہودیت اور نصرانیت؟'' (تدبر قرآن جلد دوم، ص ۱۱۱۔ ۱۱۲)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''داعیان حق کے طرز استدلال کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے اور مخاطب کے درمیان قدر مشترک تلاش کر کے اس کو بنائے بحث واستدلال بناتے ہیں۔''

(دعوت دین اور اس کا طریقۂ کار، ص ۱۱۱)

''مدعوئین سے کسی ایسی بات کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا ہے جو ان کے لیے بالکل نادر اور انوکھی ہو اور ان کی تاریخ، ان کی روایات، ان کے معروف ومنکر اور ان کے عقائد واخلاق میں اس کی اصل موجود نہ ہو۔'' (ایضاً ص ۱۱۲)

کچھ مشترک نکات

ہمارے ملک میں برادران وطن کے سامنے دعوت پیش کرتے ہوئے درج ذیل مشترک نکات کو پیشِ نظر رکھا جاسکتا ہے:

(۱) اہلِ ملک خدا کو ایک مانتے ہیں اسی ایک خدا کے سب بندے ہیں۔ البتہ شرک کا مسئلہ بات چیت میں سمجھانا ہوگا۔

(۲) مذہب کو مانتے ہیں۔ (کسی نہ کسی مذہب کو ماننے کے باوجود حقیقی مذہب سے ناواقف ہیں اس سچے مذہب کی خصوصیت بتانا ہوگا۔)

(۳) ایک ہی ماں باپ آدمؑ اور حوا کی اولاد ہیں۔ (انسانی رشتہ)

(۴) ایک ہی ملک کے باشندے ہیں۔ ملک کام یاب ہو، تعمیر اور ترقی ہو تو سب کو فائدہ پہنچے گا اور اگر ملک تباہ ہوجائے تو پھر سب تباہ ہوجائیں گے۔ اس طرح سب باشندگانِ ملک کا آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی اور فلاح و بہبود کا طالب ہونا ضروری ہے۔ وطن کی محبت اور وطن پرستی کا فرق سمجھانا ہوگا۔

(۵) ملکی دستور کی تمہید میں جن بنیادی انسانی قدروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ قدریں داعی اور مدعو کے درمیان مشترک ہیں۔ دعوتِ اسلامی ان قدروں کی وحی الٰہی کی بنیاد پر جامع اور مکمل تصور پیش کرتی ہے۔ ان قدروں کا، فرد اور معاشرہ میں حقیقی نفاذ صرف دعوتِ اسلامی کے ذریعہ ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ ملکی دستور کی تمہید میں درجِ ذیل قدروں کا تذکرہ ہے: انصاف، مساوات، بھائی چارہ اور آزادی۔

ایک دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سورۂ آل عمران کی مذکورہ آیت کا مخصوص پس منظر ہے۔ اس کے مخاطبین صرف اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ہیں۔ لہٰذا اس میں دعوت کو پیش کرنے کے لیے جو اصول بنایا گیا ہے وہ بھی مخصوص ہے اسے عموم دینا مناسب نہیں ہے۔ اس سلسلے میں رسول اکرمؐ کے دعوتی اسوہ کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ وہاں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ توریت اور انجیل سے مشترک باتیں نکال کر دعوت پیش کی گئی ہو۔ نقطۂ نظر کے اس اختلاف کے باوجود دعوت

پیش کرتے ہوئے مدعوئین کے ساتھ نقطۂ اشتراک تلاش کرنا اور آغاز گفتگو کے موقع پر اس کا تذکرہ مفید ثابت ہوتا ہے۔

میرے ایک دوست ہیں ایک بار ان کی عیسائیوں کے ایک پروگرام میں تقریر ہوئی۔ میں بھی پروگرام میں شریک تھا۔ اپنی تقریر کے بالکل آغاز میں انھوں نے درج ذیل باتیں کہیں:

- قرآن مجید میں حضرت محمدؐ کے تذکرے کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کا تذکرہ کئی جگہ آیا ہے۔
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنا کہ وہ خدا کے پیغمبر تھے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ ایک پیغمبر کا انکار تمام پیغمبروں کا انکار ہے۔
- حضرت مریمؑ کا تذکرہ قرآن مجید میں بڑے احترام اور خدا کے نزدیک مثالی خاتون کے طور پر آیا ہے۔ ان کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے۔
- حضرت مریم کے نام سے قرآن مجید میں سورۂ مریم سورہ نمبر ۱۹ کے طور پر آئی ہے۔
- حضرت عیسیٰؑ پر انجیل کا نزول ہوا ہے جو آج بائبل کی شکل میں پائی جاتی ہے۔ مسلمان انجیل کو خدا کی کتاب تسلیم کرتے ہیں اس میں کافی کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں اس کا بھی وہ علم رکھتے ہیں۔ اور قرآن مجید کو خدا کی آخری کتاب تسلیم کرتے ہیں۔

اس کے بعد مقرر نے 'عالمی انسانی برادری' کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ ابتدائی گفتگو کے مذکورہ نکات کا سامعین پر بہت اچھا اثر پڑا۔ آگے کے اظہارِ خیال کے لیے خوشگوار ماحول بنا۔

دعوت اور خدمتِ خلق

فریضۂ دعوتِ دین کی ادائیگی میں خدمت خلق کی بے حد اہمیت ہے۔ لوگوں کو زندگی میں پیش آنے والے مسائل، مصائب اور مشکلات کے موقعوں پر بے یار و مددگار چھوڑ دینے کے بجائے ان کی مدد کرنا اور ان کے لیے دوڑ دھوپ کرنا ان کی بہت بڑی خیر خواہی اور ان کی بہت بڑی خدمت ہے۔ ذرا تصور کریں کہ ان کو جہنم کے ابدی اور دردناک عذاب سے بچانے کی کوشش کرنا تو اصل خیر خواہی اور وہ خدمت ہے کہ جس سے بڑھ کر خیر خواہی اور خدمت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح دنیا کی عارضی زندگی میں مدد کر کے ان کی اخروی و ابدی زندگی میں عذاب سے بچانے کی کوشش نہ کرنا سب سے بڑی بدخواہی ہے۔

ایک پہلو انسان کے خلیفہ ہونے کا بھی ہے۔ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ خلیفہ ہونے کی بنا پر اللہ کی جانب سے کچھ اختیارات بھی رکھتا ہے۔ کچھ حقوق اور فرائض زندگی میں ادا کرنے ہوتے ہیں۔ خلافت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے انسان کی زندگی مسائل، مصائب اور مشکلات سے کم از کم محفوظ ہو۔ بالفرض ایسا ممکن نہ ہو سکے تو ان کے مصائب و مشکلات میں دوسرے ساتھ دیں۔ انسان اس دنیا میں کبھی تنہا نہیں رہتا۔ اس کی زندگی کو مادی، طبعی، اخلاقی و روحانی طور پر کامیاب اور پرسکون بنانے کے لیے نباتات، حیوانات، چرند و پرند اور جمادات کو مسخر کیا گیا ہے۔ لہٰذا ان سب کی حفاظت اور بقا ضروری ہے ورنہ خود حضرت انسان کا وجود اور خلافت خطرے کی زد میں ہوگی۔ ان کے تحفظ و بقا اور توازن کو برقرار رکھنے کی جدوجہد دراصل خدمت خلق ہے۔ اس لیے خدمت انسان اور خدمت خلق ایک ایسا کام ہے جو انسان اور تمام

مخلوقات اور خود اس کائنات کے تحفظ اور بقا سے متعلق ہے۔اس کو انجام دینے والا انسان یا کوئی گروہ خدا سے راست اس کا بدلہ چاہتا ہے۔داعی جن کی بھی خدمت کرتا ہے ان پر کوئی احسان نہیں کرتا ہے بلکہ یہ ان کا حق ہے۔مولانا عبدالعظیم عمری لکھتے ہیں:

''پیاس بجھانے والے گھونٹ پر پیاسے انسان کا حق ہے، بھوک مٹانے والا لقمہ ہر بھوکے انسان کا حق ہے، تن ڈھانکنے والا کپڑا برہنہ انسان کا حق ہے، سہارا دینے والے ہاتھ پر گرتے انسان کا حق ہے، زخم سکھانے والے مرہم پر ہر زخمی انسان کا حق ہے اور تسلی دینے والے دو بول ہر پریشان حال کا حق ہے۔ان سب معاملات میں دین و مذہب، رنگ و نسل اور جنس و وطن کا اختلاف شرعاً کوئی معنی نہیں رکھتا۔''

(ماہنامہ راہ اعتدال، خصوص اشاعت ۲۰۱۱، ص ۱۴۵)

خرم مرادؒ لکھتے ہیں:

''خدمت خلق یہ لفظ اللہ اور اس کے رسولؐ نے صرف ان معنوں میں استعمال نہیں کیا کہ انسانوں کی خدمت کی جائے بلکہ 'خلق' کے اندر انسان بھی شامل ہیں اور جانور بھی، خلق میں تو خدا کی ہر مخلوق شامل ہے۔ان کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کی ہدایات قرآن مجید میں بار بار آئی ہیں اور نبی کریمؐ کی تعلیمات کا بڑا حصہ بھی اس سے متعلق ہے۔''

(خدمت خلق انفرادی و اجتماعی تقاضے، ص ۵)

قرآن اور احادیث سے خدمت خلق کے سلسلے میں بہت جامع اور واضح رہ نمائی ملتی ہے۔ خدمت خلق کا قرآنی تصور بہت وسیع ہے۔خدمت میں انسان مقدم ہے۔خدمتِ انسان میں والدین، اہل و عیال، پڑوسی، رشتہ دار، اور ہر وہ انسان جو خدمت کا مستحق ہو۔یہاں پر خدمت خلق کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا بلکہ خدمت میں اللہ کی ہر مخلوق جاندار ہو یا بے جاندار سب شامل ہیں۔

خدمتِ خلق کا سب سے اہم پہلو اس کا محرک ہے۔خدمت، خدا کی رضا اور آخرت کی فلاح کے جذبے سے ہو۔اجر، بدلہ اور انعام صرف خدا سے چاہا جائے۔ یہاں تک کہ جن بندوں کی یا جو بھی خدمت کرنے کی توفیق اور سعادت خدا سے ملی ہے اس پر ان کے شکریہ کی بھی کوئی خواہش دل میں نہ ہو۔خدمت خلق کے سلسلے میں قرآن اور احادیث میں آداب و شرائط بھی

بتائے گئے ہیں جن کی پابندی اس حقیقی نیکی کے شرف قبولیت کے لیے لازمی ہے۔ اگر ان کی خلاف ورزی کی گئی تو یہ ضائع ہوجائے گی۔ آخرت میں اجروثواب اور انعام کے بجائے خدا کی شدید ناراضگی اور عذاب جہنم کا خطرہ ہے۔

خدمتِ خلق کے سلسلے میں ان باتوں کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے:

۱- یہ کوئی احسان نہیں ہے بلکہ ان کا حق ہے۔

۲- اخلاص وللّٰہیت اور ریاکاری سے بچ کر دایاں ہاتھ سے دے تو بائیں کو خبر نہ ہو۔

۳- دل آزار باتیں اور طعنے نہ ہوں۔ عزت نفس اور خودی مجروح نہ ہو۔

۴- تشہیر نہ ہونی چاہیے۔ شہرت طلبی کی خواہش سے بالکل دور رہیں۔

۵- کسی کو حقیر اور کم تر نہ سمجھیں۔

۶- مذہب وعقیدہ کی بنیاد پر خدمت میں امتیاز اور فرق نہ کریں، بلالحاظ مذہب، عقیدہ وملت سب کی خدمت کریں۔

۷- مثالی مسلم معاشرہ وہ ہے جہاں کسی مستحق کو مانگنے اور دست سوال دراز کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے، بلکہ حاجت مندوں کو تلاش کرکے ان کی مدد کی جائے۔

قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے:

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّاۗىِٕلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ (البقرہ:۱۷۷)

''اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرو۔''

خدمت خلق کے سلسلے میں درج ذیل آیات کا مطالعہ مفید ہوگا۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۳۸ (الروم:۳۸)

''پس قرابت دار کو، مسکین کو، مسافر کو اور ہر ایک کو اس کا حق دیجیے۔ یہ ان کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔''

فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝٤٠ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝٤١ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝٤٢ قَالُوْا
لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝٤٣ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝٤٤

(المدثر:٤٠۔٤٤)

’’وہ مجرموں سے پوچھیں گے تم کو کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور ہم غریبوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔‘‘

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝٧ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ
عَلٰي حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝٨ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ
مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝٩ (الدھر:٧۔٩)

’’اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں وہ مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہمارا یہ کھلانا اس کے سوا کچھ نہیں کہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ہم تم سے نہ تو بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کسی طرح کی شکر گزاری۔‘‘

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝٨ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝٩ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝١٠ فَلَا
اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝١١ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝١٢ (البلد:٨۔١٢)

’’اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔ پھر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلق خدا پر) رحم کی تلقین کی۔‘‘

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝١ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝٢ وَلَا يَحُضُّ
عَلٰي طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝٣ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝٤ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ
سَاهُوْنَ ۝٥ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝٦ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝٧

(الماعون:١۔٧)

’’تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔ پھر تباہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو

اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ضعیف اور کم زور لوگوں کو ڈھونڈنے میں میری مدد کرو۔ کیوں کہ کمزوروں اور ضعیفوں کی وجہ سے ہی تمہیں رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر ۲۵۹۴)

ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے کہا کہ تم کو جو نعمت اور روزی ملتی ہے وہ ان غریبوں کی بدولت ملتی ہے۔ (بخاری)

وفات کے موقع پر آپؐ کے آخری الفاظ تھے لونڈی غلام یا غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔'' (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہیں: ''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، سب سے زیادہ اللہ کا محبوب بندہ وہ ہے جو اللہ کے کنبے کو نفع پہنچائے۔'' (بیہقی)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک فاحشہ عورت محض اس وجہ سے بخش دی گئی کہ اس نے ایک کتے کو پیاس سے زبان لٹکائے ہوئے دیکھا جس سے اس کی ہمدردی کا جذبہ جاگ اٹھا اور اس نے اپنا موزا نکالا اور اپنی اوڑھنی سے باندھ کر کنویں سے پانی سینچا اور پیاسے کتے کو پلایا۔ لوگوں نے آپؐ سے پوچھا کہ کیا جانوروں کی خدمت سے بھی ہمیں اجر ملتا ہے؟ فرمایا ہاں۔ ہر زندہ جانور کی خدمت (کے تعلق سے) کا اجر مقرر ہے۔ (بخاری و مسلم)

ایک عبادت گزار عورت بلی کو باندھ کر رکھتی، اسے کھانے پینے کے لیے آزاد نہیں چھوڑتی تھی۔ اس ظلم کے بدلے وہ جہنم کی مستحق قرار پائی۔ (بخاری)

خدمتِ خلق کا ایک پہلو یہ ہے کہ دنیوی زندگی میں انسانوں کی تکالیف، مصیبتوں اور پریشانیوں کو دیکھ کر داعی کبھی خاموش نہیں رہ سکتا۔ داعی حساس دل رکھتا ہے۔ وہ ان کی مدد کے لیے آگے بڑھتا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ دنیوی زندگی میں عارضی پریشانیوں اور مصائب

میں تعاون کرنے والا کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ اخروی وابدی زندگی میں وہ ایمان سے محرومی کے نتیجے میں ہمیشہ کے لیے جہنم کے عذاب کا شکار ہو۔ اس لیے دعوت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ داعی لوگوں کی آخرت میں ابدی زندگی کو کام یاب اور فلاح سے ہم کنار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے لیے دعوت کو صرف پیش ہی نہیں کرتا بلکہ حجت پوری کرتا ہے۔ دعائیں کرتا ہے۔

قرآن وحدیث کے ان ارشادات کی روشنی میں خدمت خلق کے مختلف پہلو نکھر کر سامنے آتے ہیں۔ خدمت خلق کے عظیم کام کے مزاج اور نوعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ خدمت خلق اور دعوت میں گہرا تعلق ہے۔ اس سلسلے میں چند اہم باتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

خدمتِ خلق کے بعض پہلو

ایک پہلو تو یہ ہے کہ دعوت دین بندوں کا حق ہے۔ تمام بندوں کا یہ حق ہے کہ انھیں خدا کی جانب سے ہدایت اور رہ نمائی پہنچائی جائے تاکہ وہ اس کے قبول وانکار کا آزادانہ فیصلہ کرسکیں۔ اس عمل میں بندوں سے گہری محبت وشفقت اور گہرا تعلق قائم کرنا ضروری ہے۔ محبت وشفقت اور تعلق قائم اس وقت ہوتا ہے جب داعی ہمدردی، غم گساری اور مسائل میں دل چسپی لے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ داعی خدمت خلق کے نتیجے ہی میں مخاطبین کے دلوں میں جگہ بناتا ہے۔ ایک بار مخاطبین اگر سمجھ لیں کہ داعی ان کا حقیقی خیر خواہ ہے، بھلائی کا خواہاں ہے، بے لوث خدمت میں لگا ہوا ہے اور کوئی بدلہ بھی نہیں چاہتا تو ان کا داعی کے متعلق یہ امیج، داعی کی سیرت اور دعوت دونوں سے قریب کردیتا ہے۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین برصغیر ہند میں جب آئے تو یہاں کفر وشرک کی گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ مذاہب تھے لیکن توحید، رسالت اور آخرت کے حقائق اور انسانی مساوات سے معاشرہ خالی تھا۔ مذاہب ظلم واستحصال، عدم مساوات اور بے جا رسومات، قیاس وگمان پر مبنی تصورات کا ذریعہ بنے ہوئے تھے۔ یہاں کے عوام کا ایک بڑا حصہ کمزور، مظلوم اور محروم طبقات پر مشتمل تھا۔ اگر انھوں نے دعوت حق قبول کیا تو اس کا سب سے اہم سبب ان کی کوئی تقاریر، خطابات اور درس قرآن نہیں بلکہ حسن سلوک، حسن اخلاق اور خدمت خلق تھا۔ صحابہؓ اور تابعین نے ان کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھایا۔ انھیں گلے سے لگایا۔ انسان

ہونے کے ناطے ان کا اعزاز و اکرام کیا۔ ان طبقات سے الگ تھلگ نہیں رہے بلکہ ان کے ساتھ مل جل کر رہے۔ ان پر ہونے والے ظلم و استحصال کے خاتمے کو اپنا دینی و انسانی فریضہ سمجھا۔

اولیائے کرام اور صوفیا کی خانقاہیں اور لنگر خانے سب کے لیے عام تھے۔ سب مل کر کھانا کھاتے، ہندوستان میں ایسا نظام اور منظر کبھی پہلے کسی نے دیکھنا تو دور کی بات ہے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ یہ دینِ حق کے ایک خدا، ایک انسان کے بنیادی تصورات کی وجہ سے تھا۔

خدمت خلق کا کام دعوت کے ایک اہم ترین مقصد کو پورا کرتا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں برادران وطن کے اندر جو غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پائی جاتی ہیں۔ دعوت پر غور و خوض کرنے کے لیے ان کو دور کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس سلسلے میں لٹریچر، ویڈیو فلمیں اور کلپس، فولڈرس اور سوشل میڈیا کے ذرائع کارآمد ہیں۔ لیکن سب سے موثر ذریعہ برادران وطن کے ساتھ تعلقات قائم کرنا، ان کی خدمت اور ان کے دکھ درد کو شیئر کرنا ہے۔ کیرلا میں گزشتہ دو سال قبل سیلاب آیا تھا۔ مسلمانوں نے قرآنی تعلیمات اور اسوہ رسولؐ کی روشنی میں بلا لحاظ عقیدہ و مذہب برادران وطن کے لیے مسجدوں، مدرسوں اور درگاہوں میں ہنگامی کیمپ لگوا دیے، کھانے پینے اور ٹھہرنے کا انتظام کیا۔ اس انسانی خدمت کو ایک مسلم دشمن تنظیم کے ذمہ داروں نے اپنی آنکھوں سے خود دیکھا اور کہا کہ مسلمانوں کو دہشت گرد کہا جاتا ہے لیکن یہی لوگ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کی خدمت کر رہے ہیں، یہ مسلمان دہشت گرد نہیں ہو سکتے۔

میرے ایک دوست داعی ہیں۔ ایک سفر کے دوران ٹرین میں ان کو یہ واقعہ پیش آیا۔ جس بوگی میں وہ برتھ پر بیٹھے تھے، ایک بزرگ مسافر اپنی ضعیف اہلیہ کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ سامان زیادہ تھا ان کے لیے برتھ کے نیچے اٹھا کر سامان رکھنا مشکل کام تھا۔ میرے داعی دوست نے فوراً آگے بڑھ کر سارا سامان سلیقے سے رکھ دیا۔ وہ بے حد متاثر ہوئے۔ ٹرین چل پڑی۔ کچھ دیر بعد آپس میں گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو داعی دوست نے توحید کا تعارف کرایا۔ آخرت کے عقیدے اور جہنم کے عذاب کا تذکرہ کیا۔ داعی کی درد و سوز بھری گفتگو کا اثر اور نتیجہ یہ نکلا کہ بزرگ مسافر نے اپنی اہلیہ کے ساتھ قبول حق کر لیا۔

اسی طرح میرا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ ایک دفعہ میں اپنی دختر کے ساتھ ایک شہر کے

ریلوے اسٹیشن پر ٹرین آنے کے انتظار میں تھا۔شدید گرمی کا موسم تھا۔ پلیٹ فارم پر بہت کم مسافر تھے۔ میرے قریب ایک نان مسلم فیملی آئی۔ دو جوان خواتین، تین بچے اور ایک مرد پر مشتمل فیملی تھی۔ انھوں نے کھانا کھایا ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ مرد نے بوتل لے کر پلیٹ فارم پر لگے نلوں میں پانی تلاش کیا لیکن پانی کہیں بھی نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر میں فوراً آگے بڑھا۔ میرے پاس ٹھنڈے پانی کی بوتل تھی۔ میں نے کہا: بچے چھوٹے ہیں پوری بوتل لے لیں۔ اس مرد نے کہا کہ آپ کے لیے پانی کہاں بچے گا۔ میں نے کہا کہ میں کچھ انتظام کرلوں گا لیکن آپ پوری فیملی ہیں یہ پوری بوتل آپ کے لیے ہے۔اس کا ان پر گہرا اثر پڑا۔ پھر بات چیت شروع ہوئی۔ ابتدائی تعارف ہوا۔ ان کا پتہ لے کر میں نے ڈاک سے ہندی کتابیں بھیجیں جو ان کو مل گئیں۔انھوں نے شکریہ ادا کیا اور گہرے محبت اور تعلق کا اظہار کیا۔افسوس کہ یہ سلسلہ جاری رہ نہیں سکا۔

دعوت سے غفلت کے نقصانات

(مسلمانوں کو)

دعوت سے غفلت کے نقصانات کی تلافی دعوت کو ترک کر کے بڑی سے بڑی تدابیر کے ذریعہ سے ممکن نہیں ہے۔ تلافی کی ایک ہی شکل ہے اور وہ ہے فریضۂ دعوتِ دین کی پوری لگن، دھن اور جانفشانی سے ادائیگی۔

دعوت سے غفلت کے نقصانات ونتائج داخلی اور خارجی دونوں طرح ہیں۔ بعض نقصانات دنیوی اور اخروی زندگی سے متعلق ہیں۔ یہ دعوت، دعوت الی اللہ ہے۔ یعنی تمام جھوٹی بندگیوں سے انسان کو نکال کر خدائے واحد کی بندگی کے وسیع دائرے میں لانا۔ یہ کام مسلمانوں کی ایک عظیم ذمہ داری اور بھاری فریضہ ہے۔ مسلمانوں کا مقصد وجود، دعوت الی اللہ کے فریضے کی ادائیگی ہے۔ ختم نبوت کے بعد کارنبوت یا کاررسالت دعوت ہی کا نام ہے۔ کارنبوت یا کاررسالت اس وقت تک باقی رہے گا جب تک ایک انسان بھی زمین کے کسی گوشے میں دعوت سے محروم ہے۔ اس عظیم کام کا محرکِ حقیقی صرف اور صرف رضائے الٰہی اور فلاح آخرت کا حصول ہے۔ اللہ کے بندوں کو جہنم سے بچانا ہے۔

دعوت سے غفلت کے نقصانات مشترک بھی ہیں۔ بعض نقصانات باشندگان ملک کے لیے ہیں تو وہ مسلمانوں کے لیے بھی ہیں۔ اسی طرح بعض نقصانات مسلمانوں کے لیے ہیں تو وہ باشندگانِ ملک کے لیے بھی ہیں۔

دعوت سے غفلت کے نقصانات میں سے کوئی نقصان اسلام کا نہیں ہے۔زوال اورذلت اسلام کے لیے کبھی نہیں ہے۔اسلام حق ہے۔کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ جب جب دعوت سربلند ہوئی ہے اسلام کوفروغ اورغلبہ حاصل ہوا ہے اور مسلمانوں کو بھی عروج اورسربلندی حاصل ہوئی ہے۔جب کبھی دعوت سے غفلت برتی گئی ہے ،اسلام اپنی جگہ قائم ودائم رہا لیکن مسلمان ذلت اوررسوائی سے دوچار ہوئے۔اقتدار اورفرماں روائی سے محروم کردیے گئے۔اسپین میں آٹھ سوسالہ دورحکومت اور بھارت میں تقریباً ایک ہزار برس تک حکومت کرنے کے بعد دونوں ملکوں میں عبرت ناک زوال اورناکامی ہاتھ آئی۔اس کے سب سے اہم سبب کی آپ تلاش کریں تو وہ دعوت سے غفلت ہی ہوگا۔

دعوت سے غفلت کے بڑے بڑے نقصانات مسلمانوں کو اپنی تاریخ میں بھگتنے پڑے ہیں۔سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ وہ اپنے فرض منصبی اورمقصدِ وجود سے غافل ہوگئے۔قرآن وسنت اوراسوہ رسولؐ کی روشنی میں ہردور میں دین پر چلنا اوراس پر قائم رہ کردین کوعملاً زمین پر قائم کرنے کی عظیم ذمہ داری جوکہ دراصل نصب العین (مقصدزندگی) ہے مسلمان اس کوبھول گئے۔ اس نصب العین کی ادائیگی کے لیے مسلمانوں کو امت واحدہ اور اجتماعیت کے ذریعہ اسلامی تحریک کاعلم بردار بننا تھا لیکن وہ منتشر ہوگئے۔چھوٹی بڑی جماعتوں میں تقسیم ہوگئے۔اس عظیم نصب العین اقامتِ دین کے مختلف اجزا ہی کومقصدزندگی اوراجتماعیت کا مقصود قرار دے کر اسی میں مشغول ہوگئے۔آج نتیجہ سامنے ہے مسلمان اپنی تاریخ میں پھرزوال کا شکاراورپستی میں گرگئے۔ آج جس قدر بے حیثیت، بے وزن اور کثرتِ تعداد کے باوجود زوال سے دوچار ہیں شاید ہی کبھی ایسے رہے ہوں۔دعوت اسلامی کا مشن انھیں اجتماعیت کی لڑی میں پروکر اقامت دین کے لیے جذبہ اورحوصلہ بخشنے والا تھا اورآج بھی ہے۔لیکن آج وہ اپنے فرض منصبی سے غافل ہوگئے ہیں۔

قرآن مجید کے ان ارشادات کو دیکھیے:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ (المائدہ:۷۸)

''کہہ دو کہ اے اہل کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تورات اورانجیل اوران

دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو، جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔''

گویا اہل کتاب یہود پہلے اور نصاریٰ بعد میں اس بات کے لیے ذمہ دار بنائے گئے تھے کہ جو کتاب انھیں دی گئی ہے اس کی مخلص اور یکسو ہو کر پیروی کریں۔ صرف پیروی کرنے پر حامل کتاب ہونے کی ذمہ داری ادا نہیں ہوگی بلکہ اللہ کی زمین پر ان کتابوں کی تعلیمات کو عملاً نافذ کریں۔ دیکھنے والی آنکھوں کو نظر آئے کہ معاشرہ اور پوری اجتماعی زندگی کتاب الٰہی کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہے۔ اس کے نتیجے میں کیا کیا برکات وثمرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جائیں گی قرآن میں بتایا گیا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ (المائدہ:۶۶)

''کاش انھوں نے تورات اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں۔ ایسا کرتے تو ان کے لیے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے ابلتا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ لوگ راست رو بھی ہیں لیکن ان کی اکثریت سخت بدعمل ہے۔''

یہود اور نصاریٰ کے بعد مسلمانوں کے لیے مقصد حیات کے حوالے سے قرآن کا حکم ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾ (الشوریٰ:۱۳)

''اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جو ہم نے (اے نبیؐ!) آپ کی طرف وحی کیا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔''

اقامت دین کے مقصد کے لیے مسلمان آمادہ ہوجاتے ہیں تو انھیں دعوتِ دین کے مشن کے لیے سرگرم ہونا پڑے گا لیکن دعوت کے مشن سے غفلت کے نتیجے میں وہ اپنے مقصد وجود اور فرض منصبی سے دور ہوگئے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ ایک عظیم حادثہ اور المیہ ہے۔ اس کے نقصانات نے مسلمانوں کی انفرادی زندگیوں سے شروع ہوکر اجتماعی زندگی کے کسی ایک گوشے کو نہیں بلکہ ہر شعبہ اور گوشے کو متاثر کیا ہے۔ اس کا مداوا آسان نہیں ہے۔ اس کی تلافی کا کوئی راستہ نہیں ۔ اگر کوئی راستہ ہے تو یہی ہے کہ مسلمان یکسو ہوکر اقامت دین کے قرآنی مقصد حیات اور دعوتِ دین کے مشن کو اختیار کر کے زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کریں۔

مسلمانوں کو نقصانات

دعوتِ دین سے غفلت کا سب سے زیادہ اثر مسلمانوں کی زندگی پر پڑا ہے اور ان کو عظیم نقصانات اٹھانے پڑے ہیں۔ بعض اہم نقصانات کا یہاں تذکرہ کیا جارہا ہے، تاکہ ان سے سبق لے کر وہ تلافی کی کوشش کریں۔

(۱) صحیح تصور دین اور تقاضوں سے غافل ہوگئے

دعوت سے غفلت کے نتیجے میں مسلمانوں کا تصور دین بگڑ گیا۔ وہ قرآن وسنت کے تصور دین سے اور اس کے تقاضوں کی ادائیگی سے غافل ہوگئے۔ محدود تصور دین پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے اتباع رسولؐ اور دعوت دین کا کام مسلمانوں میں مقید ہوکر رہ گیا۔ دعوت دین کی ادائیگی کے بغیر اتباع رسولؐ ادھورا ہے۔ اس ادھورے تصور دین میں بندوں کے حقوق اور معاملات زندگی کے لیے کم ہی جگہ بچتی ہے۔ اس کا زور اجر وثواب کے حصول پر ہے۔ فضائل، احکام، انفرادی دین داری اور تقویٰ کے حصول پر ہے۔ دین کے کسی اہم جز کا حکم دینے کی کوشش یہ قابل قدر اور قابل تحسین بھی ہے۔ لیکن نہی عن المنکر کی نہ کوئی اہمیت ہے اور نہ اس کے لیے کوششیں ہیں۔ دوسری طرف دین اور اتباع رسولؐ کا ایک ایسا نقشہ ہے جس میں صرف عقیدت ومحبت میں غلو ہے۔ توازن اور اعتدال سے ہٹ کر دین اور اتباع رسولؐ کے انتہائی اہم تقاضے

بھلا دیے گئے۔ایک ایسا نقشہ سامنے آتا ہے جو صحابہؓ اور تابعینؒ کی مبارک زندگیوں میں دور دور تک نظر نہیں آتا۔دین کے یہ محدود اور افراط وتفریط پر مبنی تصور اور دعوت کے بغیر دین پر عمل کر کے مسلمان مطمئن ہیں کہ دین کے تقاضے پورے ہو رہے ہیں۔قرآنی تعلیمات میں دعوت دین کی اہمیت،فرضیت اور فضیلت سے وہ بے خبر ہیں۔فریضۂ دعوت ادا نہ کرنے پر قرآنی تنبیہات، اپنے زوال اور بے وزنی کا انھیں کوئی احساس نہیں ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی ناراضگی

اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رہ نمائی آخری مرتبہ جامع نظام زندگی کے طور پر حضرت محمد ﷺ کو عطا کی گئی۔آپؐ خاتم النبیین ہیں۔آپؐ اور صحابہ کرامؓ نے اس کو تمام انسانوں تک پہنچایا۔اس دین کی قولی اور عملی شہادت انسانوں کے سامنے پیش کی۔یہ ایک عظیم دعوتی ذمہ داری ہے۔کیوں کہ دین پر کسی کی ملکیت اور اجارہ داری نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام انسانوں کے لیے ہوا اور پانی کی طرح عام کیا ہے۔اس کو اس اعتبار سے جامع اور مکمل وکامل بنایا ہے۔

قیامت تک مسلمانوں کی اب یہ ذمہ داری قرار پاتی ہے کہ وہ بھی اپنے اپنے دور کے انسانوں کے سامنے قول وعمل سے انفرادی اور اجتماعی طور پر اسلام کی شہادت (گواہی) دیں۔ لیکن آج مسلمان بالعموم اس سے غافل ہیں۔انسانیت کے تئیں یہ جرم عظیم ہے۔قرآن کی آیات کے ذریعہ اس جرم کی سنگینی کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

(البقرہ:۱۵۹،۱۶۰)

''جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں درآں حال یہ کہ ہم انھیں سب انسانوں کی رہ نمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔البتہ جو

اس روش سے باز آجائیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرلیں اور جو کچھ چھپاتے تھے، اسے بیان کرنے لگیں، ان کو میں معاف کردوں گا۔''

(۳) مسلمان داعی کی جگہ مدعو بن گئے

دعوت دین کے مشن سے غفلت کا بڑا نقصان یہ بھی ہوا ہے کہ مسلمان داعی کے بجائے مدعو بن گئے۔ داعی کا مقام اور درجہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں انصار اللہ اور حزب اللہ کا ہے۔ اس سے اونچا مقام اور درجہ کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ داعی اللہ کی بندگی اور اللہ کے راستے کی طرف آنے کی دوسروں کو دعوت دیتا ہے۔ درج ذیل حقائق پر نظر ڈالیں۔

- اسلام سب کے لیے ہے۔
- حضرت محمدؐ سب کے لیے ہیں۔
- قرآن مجید سب کے لیے ہے۔
- مسلمان سب کے لیے ہیں۔

لیکن دعوت سے غفلت کے بعد نقصان یہ ہوا کہ ان عالمگیر اور آفاقی حقیقتوں کو تنگ دائروں میں سمیٹ کر قید کرلیا گیا۔ مسلمان کی سوچ ہمارا خدا، ہماری کتاب، ہمارے رسول۔ ہمارا مذہب، ہماری قوم بن گئی۔

داعی کے مقام بلند سے مسلمان تو اب مدعو بن گئے۔ انھیں سب دعوت دے رہے ہیں کہ:

- وہ گھر واپس ہوں۔ (فرقہ پرستوں کی کوششیں گھر واپسی کی تحریک)
- عیسائیت اختیار کرلیں۔
- قادیانیت کے جال میں پھنس جائیں۔
- ارتداد کا شکار ہوجائیں۔
- غیر اسلامی نظریات کے داعی بن جائیں۔
- مسلکوں کے داعی بن جائیں نہ کہ دین کے داعی۔
- جدید وقدیم فلسفوں اور نظریات کے علم بردار بن جائیں۔ وہ ذہنی وفکری غلامی میں مبتلا ہوجائیں بلکہ ان کے داعی بنیں۔

آج اس ملک کی عظیم اکثریت دین حق اور حضرت محمدؐ کے لائے ہوئے حیات بخش پیغام سے ناواقف ہے۔ اس کے لیے کون ذمہ دار ہے؟ کروڑوں ناواقف راہ انسانوں سے مسلمان کی اگر کشمکش ہے تو وہ قومی اور فرقہ وارانہ کشمکش ہے۔ کوئی دعوتی کشمکش نہیں ہے۔ دعوتی کشمکش اگر ہوتی تو مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید ہوتی۔ وہ اس ملک میں کام یاب ہوتے اور اخروی انجام کے طور پر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا، خوشنودی اور جنت کی عظیم کام یابی سے ہم کنار ہوتے۔ مدعو بن کر مسلمان انتشار فکر و عمل سے دوچار ہیں۔ ان کا اتحاد باہمی پارہ پارہ ہے۔

(۴) امت قیادت اور امامت سے محروم ہے

آج دنیا میں مسلمانوں کی آبادی پونے دو سو کروڑ ہے۔ دنیا میں مسلمانوں کے اٹھاون ممالک ہیں۔ بعض ملکوں میں اقلیت میں ہونے کے باوجود مسلمان اچھی خاصی تعداد میں ہیں۔ اس کے باوجود وہ پوری دنیا میں ذلیل و خوار ہیں۔ ان کی کوئی طاقت نہیں ہے۔ عالمی سطح پر وہ سخت انتشار اور نااتفاقی کا شکار ہیں۔ ان کی کوئی حیثیت اور وزن نہیں ہے۔

مسلمان ماضی کی تاریخ دیکھیں۔ تعداد میں کم تھے۔ دنیا میں ان کے ممالک اتنے نہیں تھے جتنے آج ہیں۔ وہ اسلام پر عمل پیرا تھے۔ ان کی قولی و عملی زندگیوں سے خالص اسلام کی گواہی پیش ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ جدید علوم سے بہرور تھے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات کے ساتھ جدید علوم میں مہارت پیدا کی۔ دین کے داعی تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ساتویں صدی سے لے کر بارہویں صدی تک مسلمانوں نے علوم و فنون اور سائنس کے میدان میں دنیا کی امامت اور قیادت کی۔ حقیقت یہ ہے کہ دعوت اپنے علم برداروں اور داعیوں کو قوموں کے درمیان امامت اور قیادت کے مقام پر فائز کرتی ہے۔ عروج عطا کرتی ہے۔ قوت اور شان و شوکت بخشتی ہے۔ حالاں کہ جس دور میں اسلام کے ان عظیم داعیوں (صحابہ کرامؓ اور تابعین) نے دعوت کو پیش کیا تھا ساری انسانیت ایک عالمی بحران اور زبردست زوال میں گھری ہوئی تھی۔ بادشاہوں، سلاطین اور شہنشاہوں نے جنگوں کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ دنیا کا امن و چین رخصت ہو چکا تھا۔ ہر جگہ طاقت ور کم زور کو کھائے جا رہا تھا۔ انسانیت تقسیم در تقسیم تھی۔ عوام بھوک اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے

پر مجبور تھے۔ظلم واستحصال، انسانی حقوق کی پامالی اور خون خرابہ عام بات تھی۔اس اہم حقیقت پر غور کریں کہ دعوتِ اسلامی کے نتیجے میں اسلام پھیل گیا۔ جہاں جہاں دعوت پہنچی وہاں حالات یکسر بدل گئے۔

تاریخ کی یہ گواہی بہت اہم ہے کہ جب جب مسلمانوں نے دعوت کا فریضہ ادا کیا وہ ہمیشہ کام یاب ہوتے رہے۔ دعوت سے غفلت کے نتیجے میں صدیوں کے اقتدار سے بے دخل کر دیے گئے۔ذلت ورسوائی مقدر بنی۔عبرت ناک زوال سے بچ نہیں سکے۔اس زوال سے ان کی شاندار حکومت، عالی شان تہذیب وتمدن، ان کے لشکر اور خزانے عظیم الشان عمارتیں۔ غرض کوئی چیز ان کو بچانے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔امامت وقیادتِ اقوام کے مقام سے گر کر صدیوں اغیار کی غلامی میں مبتلا ہو گئے۔

(۵) دعوت کے بغیر بگاڑ وفساد بڑھے گا

دعوت سے غفلت نے آج یہ دن دکھائے ہیں کہ اپنے ملک اور دنیا میں اسلاموفوبیا کی مہم زور وشور سے جاری ہے۔روزمرہ کی زندگی میں مسلمان اس کے کڑوے کسیلے پھل چکھ رہے ہیں۔ اقلیتوں،کم زور ومظلوم طبقات اور خواتین کے حقوق پامال کیے جارہے ہیں۔عوام بے بسی کا شکار ہیں۔معاشی ظلم واستحصال سے عوام عاجز آ گئے ہیں۔یہ حالات کب بدلیں گے؟ تبدیلی کیسے آئے گی؟ سماجی بگاڑ اور اخلاقی خرابیاں، سنامی بن کر انہیں اور ساری انسانیت کو نگل لینے کے لیے آگے بڑھ رہا ہے۔

دنیا کی تاریخ میں کبھی کفر وشرک اور الحاد کے ذریعہ کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔شر، بگاڑ اور فساد کا خاتمہ نہیں ہوا۔امن قائم نہیں ہوا۔سب کے لیے معاشی خوش حالی نہیں آئی۔غربت وافلاس اور فقر وفاقہ کا ازالہ نہیں ہوا۔عدل وانصاف کا بول بالا نہیں ہوا۔

یہی حال انسان کے وضع کردہ مذاہب اور نظریات کا ہے۔مثالیں بہت ہیں۔قریب کی تاریخ میں کمیونزم کو دیکھ لیجیے۔آج سرمایہ دارانہ نظام کو دیکھیے۔یہ دونوں جن انسانی نظریات

پر قائم ہوئے تھے اس کے نتیجے میں دنیا کا کیا حشر ہورہا ہے۔ کتنے سنگین مسائل سے پوری دنیا خطرات میں گھری ہوئی ہے۔صرف دو بڑے مسئلے اس دنیا کو تباہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ایک مسئلہ گلوبل وارمنگ کا ہے۔ اس کا تعلق ماحولیات سے ہے۔ دوسرا مسئلہ عالمگیر نیوکلیر جنگ کا ہے۔ ان دونوں مسائل کا کوئی حل اسلامی دعوت کے سوا کسی مذہب ،نظریہ اور نظام کے پاس نہیں ہے۔

(۶) دعوت سے غفلت امانت میں خیانت ہے

دین حق سب انسانوں کے لیے ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے ہدایت اور رہ نمائی کو پسند کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ شیطان کے چالوں سے بچ کر راہ راست اختیار کریں اور دنیا وآخرت میں کام یاب وبامراد ہوں۔اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر انسان تک اس کی ہدایت اور رہ نمائی خالص شکل میں پہنچے۔اللہ تعالیٰ نے آغاز انسانیت سے ہی بندوں کی ہدایت اور رہ نمائی کے لیے نبوت کا نظام بنایا۔حضرت آدمؑ پہلے پیغمبر اور حضرت محمدؐ آخری پیغمبر ہیں۔آخری پیغمبر کے بعد آخری امت کو ذمہ دار مقرر کیا کہ وہ دعوت عام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رہ نمائی کو عام کرے۔ یہ دین محرومِ حق انسانوں کی ایک امانت ہے۔ جو مسلمانوں کے پاس ہے۔اس امانت کو جلد سے جلد ان تک پہنچانا ضروری ہے۔امانت میں خیانت کا وبال بہت ہول ناک ہے۔ یہ خیانت معمولی درجے کی نہیں ہے۔مسلمانوں کو جن کے پاس یہ امانت رکھی گئی ہے ،اس میں کمی وبیشی یا حذف واضافہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔حضرت محمد ﷺ کو جو ہدایت دی گئی وہی اس امت کے لیے بھی ہے۔

دعوت سے غفلت کے نقصانات

(باشندگانِ ملک کے لیے)

دعوت سے غفلت کے نقصانات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔اس سلسلے میں پچھلے صفحات میں بتایا گیا کہ مسلمانوں کو کس طرح کے نقصانات ہوتے رہے اور اس کا سلسلہ جاری ہے۔اس کا خاص اور انتہائی اہم پہلو یہ ہے کہ دعوت کے نقصانات کی تلافی کسی عمدہ تدبیر، زبردست منصوبہ بندی کسی بہترین کوشش اور سرگرمی کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔اس کی تلافی کی واحد صورت خود دعوت میں پوشیدہ ہے۔فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے لیے مسلمان یکسو ہوکر انفرادی اور اجتماعی طور پر سرگرم ہوجائیں۔ اس میں جتنی تاخیر ہوتی جائے گی نقصانات زیادہ اور ناقابل تلافی ہوتے جائیں گے۔ایک قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ نقصانات اور خراب نتائج کا بڑا حصہ خود مسلمانوں کو بھگتنا پڑے گا۔

باشندگان ملک کو دعوت سے محرومی کے نتیجے میں جو نقصانات ہوں گے وہ بہت زیادہ ہیں۔ان میں سے بعض نقصانات کے سلسلے میں کچھ باتیں تحریر کی جائیں گی۔

۱- دین کی عظیم نعمت سے محرومی

برادرانِ وطن کی اکثریت شرک، کفر، خدا کے اوتار لینے اور مرنے کے بعد ۸۴ لاکھ مرتبہ پیدائش اور موت کے سلسلے (آواگمن) جیسے تصورات کو مانتی ہے۔ان تصورات کو ماننے کے لیے دلیل ان کے آباواجداد کا ماننا ہے۔وہ توحید، رسالت اور آخرت کے حق پر مبنی تصورات

سے محروم ہیں۔محروم اس لیے ہیں کہ آج تک انہیں ان کے بارے میں بتایا نہیں گیا۔مسلمان اور یہ آبادیاں دونوں صدیوں سے ساتھ رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ان نعمتوں کو کوئی گن نہیں سکتا۔ان میں سب سے بڑی نعمت دین حق ہے۔دین حق پر کسی کی ملکیت اور اجارہ داری نہیں ہے بلکہ اس سے محروم رہنے والے انسانوں کا حق ہے کہ ان تک یہ پہنچایا جائے۔وہ غور وفکر کریں، حق کو سمجھنے کی کوشش کریں۔پھر اس کے بعد اس کو قبول یا ردّ کرنے کا فیصلہ کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ

(الکہف:۲۹)

''اے نبی کہہ دیجیے: لوگو! یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے۔تم میں سے جو چاہے اس پر ایمان لائے جو چاہے انکار کرے۔''

آج اس ملک میں سو کروڑ سے زائد انسان اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں: ہوا، پانی، غذا، سورج کی حرارت اور روشنی وغیرہ سے فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن دین کی نعمت جو کہ دراصل نعمتِ عظمیٰ ہے، محروم ہیں۔محروم اس لیے ہیں کہ وہ بے خبر ہیں۔ان کو بتانے والا گروہ مسلمان ہے اور مسلمانوں کے اندر دعوت سے عمومی غفلت ہے۔یہ دین جتنا مسلمانوں کا ہے اتنا ہی ان کا بھی ہے۔

دینِ حق سے محرومی کے نتیجے میں اور کفر وشرک، الحاد، آخرت فراموشی کی وجہ سے وہ ہمہ گیر بگاڑ اور خرابیوں کا شکار ہو چکے ہیں۔سماج ہر وقت اللہ تعالیٰ کے پکڑ کی زد میں ہے۔اس پکڑ سے بچنے اور بچانے کی ایک ہی صورت ہے۔مسلمان بحیثیت امت داعی امت بن جائیں۔ان کا ہر فرد، ان کی خواتین، ان کے نوجوان سب دعوت کے لیے کھڑے ہو جائیں، کمر کس لیں، ماضی کی غفلت اور لاپرواہی کی تلافی کے لیے عزم کر لیں۔

اس ملک کی ماضی کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب صحابہ کرامؓ، تابعین اور بعد کے ادوار میں تابعین وتبع تابعین عظامؒ صوفیا اور اولیا اللہ نے دعوت کا کام کیا، یہاں کی آبادی میں وہ قبول کیا گیا۔دعوت دینے کی وجہ سے کوئی بڑی مخالفت اور کشمکش برپا نہیں ہوئی۔آج کے اسلاموفوبیا

اور ہندوتو اتحریک کے باوجود مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۭ

(الشوریٰ:۱۵)

''پس اے رسولؐ! انھیں اسی حق کی طرف دعوت دیتے رہیے اور آپؐ کو جو حکم دیا گیا ہے اسی پر جمے رہیے اور ان کی خواہشوں کو ہرگز نہ مانیے۔''

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝۱۱۳ (ہود:۱۱۳)

''اور ان ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آجاؤ گے اور تمھیں ایسا کوئی حمایتی نہ مل سکے گا جو خدا سے تمھیں بچا سکے اور کہیں سے تم کو مدد نہ پہنچے گی۔''

دعوت سے غفلت کے نتیجے میں برادران وطن، حالتِ کفر وشرک میں روزانہ مرتے ہیں۔ میدان حشر میں یہ مسلمانوں پر خدا کی بارگاہ میں مقدمہ دائر کریں گے کہ انھوں نے دینِ حق نہیں پہنچایا۔ ان کی عملی زندگیاں بھی دین حق کا نمونہ نہیں تھیں۔ مسلمان اس صورت حال کا سامنا کیسے کرسکیں گے؟ خدا کی ناراضگی سے بچنے کی کیا صورت ہوگی؟

۲- دعوت سے محرومی کا انجام آخرت میں جہنم ہے

دعوت سے غفلت کا لازمی نتیجہ دعوت سے محروم فرد یا آبادی کے لیے موت کی بعد والی زندگی میں عذاب جہنم کا خطرہ ہے۔ ہر انسان کی بنیادی ذمہ داری حق کی تلاش ہے۔ لیکن سب سے اہم ذمہ داری اس فرد یا جماعت (یعنی مسلمانوں) کی ہے جن کے پاس حق ہے۔ برادران وطن کو بتانا ضروری ہے کہ:

محض آباواجداد کی پیروی کرتے رہنا کوئی معقول رویہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح غیبی حقیقتوں کا انکار کرکے محسوسات کو مقصود زندگی بنا کر غفلت کی زندگی بسر کرنا بھی غلط ہے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک سچے مذہب کی اور موت کے بعد ابدی زندگی میں انجام کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ صرف کھاؤ پیو، موج مستی کرو اور مرجاؤ کے فلسفے پر یقین رکھتے ہیں۔

دعوتِ عام کے ساتھ ساتھ سماج کے بااثر، منتخب اور قائدانہ حیثیت کے برادرانِ وطن سے خصوصی ملاقاتیں ہوں اور ان کے سامنے دعوت پیش کی جائے، انھیں ترجمہ قرآن، سیرت رسولؐ پر کتاب اور اسلام کے تعارف پر مختصر کتابوں کا سیٹ دیا جائے تو اس کے بہترین نتائج سامنے آئیں گے۔ ان کی زمرہ بندی اس طرح کی جاسکتی ہے:

- برادرانِ وطن کے مذہبی رہ نماؤں، مندروں، گرجا گھروں، گردوارہ اور بدھ وہاروں میں وفد کی شکل میں جا کر ملاقات کی جاسکتی ہے۔
- تمام صحافیوں سے ملاقات کرنا تو دشوار ہوسکتا ہے لیکن الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے منتخب اور نمایاں صحافیوں سے ملاقات بہت مفید رہے گی۔
- ہر جگہ بار ایسوسی ایشن ہے، اس کے عہدہ داران اور بڑے وکلا سے ملاقات ضرور کی جائے۔
- پولیس تھانے کے موجود آفیسرس اور دیگر اسٹاف سے ملاقات ہوسکتی ہے۔
- حکومت اور انتظامیہ کے ذمہ داران سے ملاقات کی جائے۔ واضح رہے کہ ایک دفعہ ملاقات کر کے چھوڑ دینا مناسب نہیں ہوگا بلکہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اس کے بعد فائدے سامنے آئیں گے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ حشر کے میدان میں کروڑوں انسانوں کا مجمع ہوگا۔ جنت کے مناظر اور دوزخ کا خوف ناک عذاب سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔ اس وقت داعی اور مدعو دونوں کا کیا حال ہوگا؟

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کے لیے خود اپنے آپ کو اور برادران وطن کو اس ہول ناک عذاب سے بچانے کے لیے فریضۂ دعوت کی ادائیگی میں یکسوئی کے ساتھ سرگرم ہونے کی ضرورت ہے۔

۳- مادی ترقی اور اخلاقی وروحانی زوال کا نتیجہ عذاب الٰہی

ہمارے ملک میں مادی ترقی پر آزادی کے بعد سے کافی زور دیا گیا ہے۔ پچھلے چند

برسوں میں مختلف میدانوں میں ملک نے اچھی خاصی ترقی کر لی ہے۔ پڑوسی ملکوں سے ہمارا ملک کافی آگے ہے بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک میں بھی ترقی کی دوڑ میں آگے نکل گیا ہے۔اس مادی ترقی کے فائدے تمام شہریوں کو منصفانہ طور پر نہیں مل سکے ہیں۔لیکن ایک پہلو نہایت تشویش ناک ہے۔ ملک کے اندر سماجی بگاڑ، اخلاقی خرابیاں اور ظلم وتشدد بڑھتا جارہا ہے۔خاص طور پر کم زور طبقات اور خواتین وبچیوں کے اوپر ظلم واستحصال کی خبریں بڑی ہی افسوس ناک ہیں۔

دعوت سے غفلت ہی کا نتیجہ ہے کہ انسانی ترقی اور مادی خوش حالی کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی ترقی کے بجائے زوال ہورہا ہے۔دعوت اسلامی کے پاس متوازن مادی ترقی وخوش حالی، منفعت بخش معاشی نظریہ اور نظام کے اصول وضوابط ہیں۔ کفر وشرک اور الحاد کے ذریعہ کبھی اخلاقی اور روحانی ترقی نہیں ہوسکتی۔ یہ عقائد تو انسان کو سیدھے خالق کی بغاوت اور اس کے ساتھ سرکشی کی راہ پر لے جاتے ہیں۔اس کا نتیجہ عذاب الٰہی کے سوا اور کیا نکل سکتا ہے۔ دنیا کی حد تک اس انجام سے داعی اور مدعو دونوں دوچار ہوں گے۔لہٰذا اللہ کی ناراضگی اور عذاب سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ برادرانِ وطن کو دعوت دینے میں غفلت نہ برتی جائے۔آج سماجی بگاڑ اور اخلاقی خرابیاں مسلمانوں پر کس قدر غلبہ پاتی جارہی ہیں؟ قرآن میں انبیاء کی دعوتی کوششوں، مدعو قوموں کے حالات اور دعوت کے تعلق سے ان قوموں کے طرزِ عمل اور اس پر اللہ کے فیصلوں کا تذکرہ موجود ہے۔

قوم نوحؑ پر ایک عظیم سیلاب آیا

قوم عاد پر ایک شدید طوفان اور ہوا مسلسل سات دن آٹھ راتیں مسلّط کیا گیا

قوم لوط پر ایک سخت زلزلہ آیا

قوم موسیٰ کے واقعے میں فرعون اور اس کا لشکر سمندر میں غرق کر دیا گیا۔

یہ قومیں اپنے اپنے دور کی نہایت طاقت ور، خوش حال اور ترقی یافتہ قومیں تھیں۔

ان قوموں پر عذاب الٰہی ان کی غربت، مفلسی اور معاشی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ دعوت انبیاء کو جھٹلانے کی وجہ سے وہ زبردست فساد اور بگاڑ کا شکار ہوگئیں۔اصلاح کے لیے آمادگی بھی نہیں تھی، ان کی سرکشی اور بغاوت میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ اللہ کا عذاب آ گیا۔

یہ دعوت ایک ایسی مادی ترقی اور خوش حالی کی ضامن ہے، جس کے ساتھ امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر نہیں ہوں گے۔ جس کے دامن میں جرائم کی کثرت نہیں ہوگی، جس کے نزدیک غریبی کو دور کرنے کے لیے غریبوں ہی کو ختم کر دینے کا نقشہ نہیں ہوگا۔ جس میں سود، جوا، سٹہ، اسمگلنگ، ذخیرہ اندوزی حرام کے درجے میں ہوں گے اور زکوٰۃ وصدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کے پاکیزہ معاشی نظام کی برکت سے معاشی مسائل حل ہوں گے۔ منصفانہ، متوازن اور ہمہ پہلو مادی ترقی اور خوش حالی کے ساتھ اخلاقی اور روحانی ترقی بھرپور انداز میں ہوگی۔ یہ کوئی دعویٰ نہیں ہے یا کوئی بڑ ہانکنے والی بات بھی نہیں ہے عملاً ایک ایسا دور اس دعوت کی قبولیت کے بعد گزرا ہے کہ جہاں حکومت اعلان کرتی تھی کہ مستحق لوگ زکوٰۃ لے کر جائیں لیکن زکوٰۃ لینے کا کوئی مستحق نہیں ہوتا تھا۔ یہ اس ملک کا حال ہے کہ جہاں اس دعوت سے پہلے فاقہ کشی اور غربت وافلاس عام تھی۔ بھوک مٹانے کے لیے لوگ کبھی کبھی مردار جانور بھی کھا لیتے تھے۔ مسلمانوں کے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا معاشی نظریہ اور بہترین نظام ہے۔ اس کے اصولوں اور ضوابط کی رہ نمائی کو وہ پہلے خود سمجھیں، عمل پیرا ہوں اور اس کی عام دعوت انسانوں کو دیں، اس کی خوبیاں اور برکات بیان کریں۔

۴- مذاہب اور نظریات کی ناکامی

دورِ جدید میں اسلام کے سوا دیگر مذاہب اور انسانی نظریات کی ناکامی ایک ایسی حقیقت ہے جس پر پردہ ڈالا نہیں جا سکتا۔ جن مسائل کو حل کرنے اور ایک ویلفیر اسٹیٹ قائم کرنے کے دعوؤں کے ساتھ نظریات میدان میں آئے تھے اس میں وہ پوری طرح ناکام ثابت ہوئے۔ ان کی ناکامی پر دنیا کے دانشور اور ماہرین متفق ہیں لیکن ان کے سامنے کوئی نظریہ اور لائحہ عمل نہیں ہے۔ اتنا ہی نہیں کہ مسائل کو حل نہیں کیا بلکہ ان کو پیچیدہ کر دیا۔ بعض مسائل کو چیلنجس اور زبردست خطرات اتنے سنگین ہیں کہ اس Planet کے باقی رہنے یا نہ رہنے کی صورتحال بن گئی ہے۔ گھڑی قریب آ لگی ہے۔

اسلام سنگین مسائل کا حل بھی ہے۔ ماضی کی تاریخ میں اس کی عملی شہادت ریکارڈ

پر ہے یہ کوئی نظری بحث نہیں ہے۔ اسلام کی دعوت جب مکہ میں بلند کی گئی کہ اے انسانو! اللہ واحد کی بندگی اختیار کرو فلاح پاجاؤ گے تو عرب اور ساری دنیا میں مسائل کے انبار تھے۔ امن وامان، انسانی جان کا احترام، انسانی حقوق کی پاسداری نہیں تھی، عدم مساوات، رنگ ونسل کے امتیازات اور ظلم وتشدد پوری دنیا میں غالب تھا۔ پہلے پہل تو اس دعوت کی مقبولیت اور اس کے غلبہ کے بعد یہ مسائل حل ہو گئے۔ ایران اور روم کے درمیان آئے دن کی جنگوں اور بدامنی، ظلم وچیرہ دستی سے دنیا کو نجات ملی۔ عدل وانصاف قائم ہوا۔ انسانی مساوات کے عملی نمونے انسانوں کے سامنے آئے۔

انسانی مسائل کے حل کے ساتھ ساتھ اخلاقی خرابیوں اور سماجی بگاڑ کو دور کرنے کی قوت بھی اس دعوت کے اندر ہے۔ شراب، جوا، زنا، فحاشی اور عریانیت وغیرہ کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ دعوت جب عرب میں پیش کی گئی تو پہلے عرب اور اس کے بعد دنیا میں جہاں بھی اس دعوت کا فروغ ہوا وہاں ایک ہمہ جہت انقلاب آ گیا۔ اخلاقی اور روحانی اعتبار سے افراد اور سماج میں زبردست تبدیلیاں آئیں۔ انسانیت پر بہار آ گئی۔

آج ملک میں مذکورہ مسائل کا انبار ہے۔ ان کو حل کرنے میں تعلیم کا فروغ، قانون سازی، پولیس، جیل اور عدالت کا نظام سب ناکام ہو چکے ہیں۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

دعوت اسلامی اس کے لیے واحد حل ہے۔ مسلم امت اس کا یقین اپنے اندر پیدا کرے۔ دعوت اسلامی کی داعی اور علم بردار بن کر اس ملک میں کھڑی ہو جائے۔ دعوت کے اصولوں اور اس کی کامیابی کے عملی نمونوں کو عوام کے سامنے پیش کرے۔ اس دنیا میں کوئی نظریہ اور نظام ایسا نہ ماضی اور نہ ہی دور جدید میں ایسا ہے کہ جس کو عملاً پوری طرح نافذ کیا گیا ہو۔ اس سے انسانیت کو بیش بہا فوائد حاصل ہوئے ہوں۔ ان خود ساختہ نظریات کو نافذ کرنے کے عرصہ میں ان کے علم برداروں نے ہمیشہ یہی کہا کہ وہ عبوری دور سے گزر رہے ہیں۔ اس عبوری دور ہی میں ان کی ہلاکت خیزیاں اور تباہ کاریاں انسانیت کے حق میں اس قدر ہول ناک اور خوف ناک ثابت ہوئیں کہ خدا کی پناہ، دنیا جہنم کا نمونہ بنا دی گئی۔ یہ عبرتناک صورتحال ہے کہ یہ نظریات دنیا میں کبھی نافذ ہو نہیں سکتے۔ یہ انسانی فطرت سے ٹکراتے ہیں اور معقولیت، خیر اور نفع رسانی

سے خالی ہیں۔

آج پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ اسلام کی دعوت کو ملک میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ سماجی مسائل، بگاڑ، اخلاقی اور روحانی خرابیوں کو دور کرنے کا واحد راستہ یہی دعوت ہے۔ یہ دعوت ایک انقلابی دعوت ہے جو انسان کو اندر سے بدل کر رکھ دیتی ہے۔ ایک انسان ایک نیا خاندان اور نیا معاشرہ تعمیر کرتی ہے۔

اس بات پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا موجودہ ملکی مسائل کا حل کفر وشرک اور الحاد کے ذریعہ ہوسکتا ہے؟ کیا انسانوں کے گھڑے ہوئے ناقص قدیم وجدید نظریات اور وضع کردہ مذاہب سے مدد مل سکتی ہے ہرگز نہیں۔

۵-انسانی حقوق کی پامالی عام ہے

دعوت سے غفلت کا نقصان یہ ہے کہ ہر جگہ حقوق انسانی پامال ہیں۔ ہمارے ملک میں انسانی حقوق کی پامالی مسلسل جاری ہے۔ انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے قومی ادارہ قائم ہے لیکن سرکاری وغیر سرکاری سطح پر حقوق انسانی کی پامالی کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ صحافیوں اور سماجی کارکنان، دانشوروں کی تنقیدوں کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ غداری وطن کے جھوٹے الزامات کے نتیجے میں قید وبند کی اذیت اٹھانی پڑتی ہے طویل مقدمات، جھوٹے گواہوں اور بعض اوقات عدالتوں سے انصاف کے حصول میں دشواری کی وجہ سے انسانی حقوق بری طرح پامال ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ سماجی زندگی میں بھی ظلم وتشدد اور استحصال بالخصوص اقلیتوں اور کمزور طبقات کے ساتھ ناروا سلوک نے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی صورتحال نہایت ہی سنگین بنادی ہے۔ دعوتِ اسلامی سے پہلے کا دور عرب اور ساری دنیا میں جاہلیت کا دور تھا۔ ایک اعتبار سے انسانیت کے لیے تاریکی کا دور تھا۔ انسان، اشرف المخلوقات اور خدا کا نائب اور خلیفہ ہونے کے باوجود ہر جگہ ذلیل ورسوا تھا۔ انسان کی عزت وناموس تار تار تھی۔ آقا اور غلام، شہنشاہ اور رعایا، کالے اور گورے، اعلیٰ واشراف اور رذیل، پیدائشی غلام اور پیدائشی رذیل وغیرہ خود ساختہ طبقات کی تقسیم بڑی افسوس ناک تھی۔ غلاموں کے حقوق نہیں تھے۔ کم زوروں اور

خواتین کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔

دعوت پہلے عرب میں عام ہوئی ۔اس کے بعد ساری دنیا میں ۔عرب میں دعوت اسلامی ۲۳ برسوں میں کام یاب ہوگئی۔ دعوت کی بنیاد پر معاشرہ اور ریاست قائم ہوئی۔ آخری حج کے موقع پر جب رسول اکرمؐ نے بنیادی حقوق کا اعلان اپنے خطبہ میں فرمایا تو پورے عرب میں اسلامی ریاست کے زیر اہتمام بنیادی حقوق عملاً نافذ کیے جا چکے تھے۔ آپؐ کے اعلان کی حیثیت ،صرف ایک اعلان کی نہ تھی بلکہ ایک ایک حق ہر کمزور، ہر طاقتور، ہر شہری، ہر مرد، ہر عورت، ہر امیر و غریب کو حاصل تھے۔ دور نبوت اور دور خلافت راشدہ میں کوئی طاقت ور، با اثر اور ذی اختیار حکومت اور انتظامیہ اور عدلیہ میں ان کی خلاف ورزی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایک آدھ واقعہ پیش آیا تو ریاست اپنی حکمرانی اور طاقت کے ساتھ مظلوم کے ساتھ کھڑی نظر آتی تھی۔ ظلم کا کوئی ہم نوا، سفارشی ،سزا سے بچانے والا نہیں ہوتا تھا۔ ریاست کے لیے قانون اور حقوق انسانی کے سامنے سب برابر تھے۔ طاقت ور کے لیے ایک قانون کم زور کے لیے دوسرا قانون نہیں تھا۔

آج پوری دنیا میں حقوق انسانی کا شور بہت ہے، خوبصورت اعلانات ہیں، کانفرنس، لٹریچر اور فلمیں سب ہیں لیکن شاید اس دور جدید میں انسان سب سے بڑھ کر مظلوم ہے۔ اپنے ہی نوع کے افراد کے ہاتھوں ظلم وتشدد، بے رحمانہ غیر انسانی ،بدترین سلوک کا شکار ہے۔ مختلف حکومتیں عوام کے انسانی حقوق کی بے دریغ خلاف ورزی کرتی ہیں۔ شاید ہی دنیا کا کوئی ملک ہو جہاں انسانی حقوق محفوظ ہیں۔ محض اختلاف رائے پر حکومتیں اپنے مخالفین کو غدار سمجھتی ہیں۔ سنگین الزامات لگا کر انھیں جیلوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔

امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں سفید فام نسل پرستی ،رنگ کے تعصّبات اور کالوں پر شدید مظالم اور حقوق کی پامالی کو دنیا نے دیکھا ہے ۔ایک نیگرو جارج فلائیڈ کا ایک گورے پولیس آفیسر نے گھٹنے سے گلا دبا کر دن دہاڑے قتل کر دیا ۔ صدر امریکہ نے اس کے خلاف احتجاج کرنے والوں ہی کو موردِ الزام ٹھہرایا اور ان کے بارے میں نازیبا کلمات کہے۔

مشہور حقوق انسانی کا بین الاقوامی ادارہ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹس اور حقوق انسانی کے لیے سرگرم سماجی کارکنوں کے بیانات دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دور جدید میں انسانی

حقوق اور شہری آزادیوں کا بس تذکرہ ہے۔ ان کے نفاذ میں کوئی حکومت مخلص اور فعال نہیں ہے۔ حکمرانوں اور برسراقتدار جماعتوں کی جانب سے عوام اور اپوزیشن پارٹیوں کے قائدین اور کارکنوں کو اختلاف رائے، تنقید اور عوام دشمن پالیسیوں اور فیصلوں کی مخالفت کرنے پر جیل پہنچایا رہی ہے۔ اس سلسلے میں پولیس کا رول بعض استثنیٰ کے ساتھ افسوس ناک ہی کہا جاسکتا ہے۔

دورنبوت اور دورخلافت راشدہ میں انسانی حقوق مکمل طور پر محفوظ اور نافذ تھے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں ایک موقع پر ایک اہم صوبے کے گورنر کے بیٹے نے ایک بے قصور مصری کو تھپڑ مارا تھا۔ حضرت عمرؓ نے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ اور ان کے فرزند اور بدو کو دارالخلافہ مدینہ بلالیا اور بدو کو گورنر کے بیٹے کو تھپڑ مارنے کا حکم دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر فرمایا تھا: اے عمرؓ! یہ تو اپنی ماؤں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے۔ تم نے کب سے ان کو غلام بنانا شروع کیا ہے۔ (خلفائے راشدین۔ مولانا معین الدین ندوی ص ۱۶۴)

دعوت اسلامی کی قبولیت اور فروغ کے نتیجے میں انسانی حقوق کی حفاظت اور نفاذ میں کام یابی کی اہم وجہ اس کا محرک اور ناکامی کے نتیجے میں خدا کے سامنے شدید باز پرس اور سزا کا گہرا اور پختہ یقین ہے۔ اس کا محرک اللہ کی خوشنودی اور آخرت کی فلاح ہے۔ آخرت میں باز پرس اور اس دنیا میں انسانوں پر مظالم ڈھانے کے نتیجے میں جہنم کے عذاب کا خطرہ ہے۔ آج کے دور میں حقوق انسانی کی حفاظت اور بقا کی ضامن صرف اور صرف یہ دعوت ہے۔ کوئی انسانی مذہب، فلسفہ اور نظریہ انسانیت کی یہ عظیم خدمت انجام نہیں دے سکتا۔

۶-عوام کی تلاشِ حق میں ناکامی

آج ملک میں کروڑوں انسان حق کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔ وہ حق کو پانا چاہتے ہیں۔ لیکن نہیں جانتے کہ حق کی عظیم نعمت انھیں کیسے اور کہاں ملے گی؟ ہر آنے والا دن ان کی تلاش حق کی طلب اور پیاس میں اضافہ ہی کرتا جارہا ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ دوسری طرف پورے ملک میں حق سے محروم روزانہ ہزاروں برادران وطن موت کے منہ میں جارہے ہیں۔ ان کے انجام کی ذمہ داری سے مسلمان کیسے بری ہوسکتے ہیں۔ اس کا تصور رونگٹے کھڑے

کر دیتا ہے۔ ایسے حالات میں ۲۰ کروڑ سے زیادہ مسلمان اس ملک میں اس منظر نامے کو دیکھ رہے ہیں۔ کیا مسلمانوں کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ ان برادران وطن کو موت سے پہلے ان کی امانت (پیغام حق) پہنچائیں۔ کیا برادران وطن نے مسلمانوں کو بتایا ہے کہ وہ اسلام اور قرآن کے تعلق سے کوئی بات نہیں سنیں گے، نہیں سمجھیں گے اور سن کر سمجھ میں آجائے تو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ واقعہ یہی ہے کہ ایسی کوئی بات آج تک مسلمانوں کے سامنے نہیں آئی ہے۔ ماضی کی تاریخ میں یہاں کے عوام کے سامنے پیغام حق پیش کیا گیا تو نہ صرف یہ کہ کوئی کشمکش اور مخالفت برپا نہیں ہوئی بلکہ اسے قبول کرلیا گیا۔ اچھی خاصی تعداد نے پرامن طریقے سے دین حق کو قبول کیا۔ آج اس ملک میں جو مسلم آباد ہیں ان کے آبا واجداد اسی ملک کے قدیم باشندے تھے۔ باہر سے آکر بسنے والی تعداد بہت کم تھی۔

دعوت سے غفلت کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام اپنے اپنے مذاہب سے غیر مطمئن اور سکون واطمینان قلب سے محروم شدید اضطراب اور روحانی کرب کا شکار ہیں۔ آج کے انسان کا اندرون سخت انتشار کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ اس کا علاج تلاش حق میں کامیاب ہونا ہے۔

دعوت حق کو پیش کرنے اور برادران وطن کے ساتھ دعوت کے سلسلے میں افہام وتفہیم کے بہترین مواقع ہر جگہ ہیں۔ ان مواقع سے فائدہ اٹھایا جائے تو کتنی سعید روحیں حق کو قبول کرسکتی ہیں۔ میرے ایک داعی دوست کہتے ہیں کہ اس ملک میں قبول حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ حق کا عدم تعارف ہے۔ فریضۂ دعوت کو مسلمان مجموعی طور پر قولاً ادا کریں، عملی زندگیوں سے دین حق کی شہادت اور گواہی پیش کریں اور دین کے حق ہونے کی حجت پوری کریں تو دعوت کی مستقبل میں کامیابی کے امکانات کا کوئی اندازہ ہی نہیں کرسکتا۔ دعوت کی کامیابی کے وسیع امکانات ہیں۔ مذکورہ کام جن کا تذکرہ آیا ہے یعنی تعارفِ دعوت، دعوت کی عملی گواہی، دعوت کی حجت پوری کرنے کے ساتھ ایک اور کام ضروری ہے۔ مسلمان برادران وطن کے سماج سے جڑیں اور ان کی بے لوث خدمت کریں۔ موجودہ حالات میں ان کاموں کو کرنا مشکل نہیں ہے۔ یہ کام نہایت وسیع پیمانے پر ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں برادران وطن کا تعاون بھی ضرور حاصل ہوگا۔ نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ ان مخلصانہ دعوتی کوششوں کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں ہونے دے گا۔

اس ملک کے مشرکانہ ماحول میں برادران وطن کو توحید خالص کا تصور اپیل کرتا ہے۔ کروڑوں کی تعداد میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کو ایک خدا کے ساتھ انسانی مساوات، عظمت، تکریم اور احترام انسانیت کے تصورات بے حد متاثر کرتے ہیں۔ خواتین کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور ان کے حقوق کی تفصیلات جان کر اس ملک کی وطنی خواتین (غیر مسلم) حیرت اور تعجب کرتی ہیں۔ ان کی جو حالت زار ہے اس کے پس منظر میں عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات میں وہ بہت کشش محسوس کرتی ہیں۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ وہ قبول حق اور آزمائشوں سے دو چار ہو کر پوری استقامت کا ثبوت پیش کرتی ہیں۔

داعی کے لیے ضروری اوصاف

فریضۂ دعوت دین کی ادائیگی دنیا کے مختلف کاموں میں سب سے الگ قسم اور نوعیت کا کام ہے۔ یہ انسان کو اندر سے بدلنے کا کام ہے۔ انسان سازی، انسانیت پیدا کرنے، انسان کو اس کے خالق کا صالح بندہ بنانے کا کام ہے۔ ایسا انسان سماج کا خادم ہوتا ہے۔ دعوت دین انسان کو خدا کا غلام بنانے، جوڑنے اور اس سے صحیح تعلق پیدا کرنے کے لیے ہے۔ اس کے ساتھ خالق کے بعد اس کی مخلوق سے انسان کا تعلق اور تقاضے کیا ہونا چاہیے اس کی رہ نمائی بھی دعوت کرتی ہے۔ مخلوق میں انسان اور انسانوں میں والدین بیوی، بچے، خاندان، رشتہ دار غرض یہ دائرہ نہایت وسیع ہے اس میں سارے ہی انسان شامل ہیں۔ اس لحاظ سے یہ نہایت مشکل کام ہے۔ دوسری طرف انسان کی فطرت میں ایک خالق کی الوہیت، ربوبیت اور حاکمیت پیوست ہے اس لیے ایک اعتبار سے یہ کام فطری اور نسبتاً آسان بھی ہے۔ دعوت دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ مشن ہے۔ اس مشن کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانی تاریخ میں رسولوں اور انبیاء کرام جیسی عظیم، پاکیزہ اور باصلاحیت ہستیوں کو منتخب کیا۔ ان کو دعوت دین کے مشن کی مناسبت سے عظیم صفات سے نوازا۔ غور کرنے کی بات ہے انسانی تاریخ میں حضرت آدمؑ کے بعد سے لے کر حضرت محمدؐ تک مسلسل ایسی عظیم اور مبارک ہستیوں کا اسی ایک مشن کے لیے تشریف لانا دعوت کی عظمت اور انسانوں کے لیے اس کی ایک ناگزیر ضرورت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اسی کے ساتھ یہ ایک حقیقت ہے کہ پیغمبروں اور تمام انبیاء کے اندر بعض صفات مشترک تھیں۔ دعوت دین کا کام دنیا کا سب سے بڑا خیر ہے۔ یہ خیر صرف انسانوں کے لیے نہیں بلکہ تمام

مخلوقات کے لیے ہے۔اس کی دعوت دینے والوں کو خیر مجسم بن کر کام کرنا چاہیے۔ دعوت کا کام انسانوں کی سب سے بڑی خیر خواہی اور فلاح و بہبود کا کام ہے اس لیے داعی کو ہر انسان (دعوت کا مخالف یا حامی) کا خیر خواہ اور فلاح و بہبود کا حریص بن کر کام کرنا چاہیے۔

انبیاؑ کی دعوتی جدوجہد، ان کی پاکیزہ سیرتوں اور مدعو قوموں کے ساتھ برتاؤ کا ان کا اعلیٰ نمونہ۔ اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق، بندوں سے غیر معمولی محبت اور ان کو اللہ کی ناراضگی (عذاب جہنم) سے بچانے کی تڑپ۔ ان سب کا مطالعہ قرآن اور انبیاء کی سیرتوں میں کرنے کے بعد ان بنیادی اوصاف کی نشان دہی ہوتی ہے۔ یہی اوصاف اللہ پر ایمان ویقین کے بعد داعی کا اصل سرمایہ ہیں۔ جس طرح ایک بہترین اور کام یاب تاجر اپنے سرمایہ کو نہایت احتیاط اور توجہ سے کاروبار میں لگا کر خوب محنت کر کے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح داعی اپنی زندگی میں ان بنیادی اوصاف کو پیدا کر کے، مسلسل ان کو پروان چڑھاتے ہوئے اپنی دعوتی کوششوں کو کام یاب بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی تمنا ہوتی ہے کہ خدا کے بندے ہدایت اور رہ نمائی قبول کر کے عذاب جہنم سے بچ جائیں۔

راہ دعوت میں کام یابی اور ناکامی کے پیمانے دنیا والوں کی کام یابی اور ناکامی کے پیمانوں سے الگ ہیں۔ جب بھی داعی گروہ کو کام یابی نصیب ہوتی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ داعی گروہ کی منصوبہ بندی، تنظیم اور عملی جدوجہد اور قربانیاں سب اپنی جگہ پر۔ یہ سب ضروری ہیں۔ ان کی خاص اہمیت ہے لیکن محض ان کے بل پر کام یابی نہیں مل سکتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کا حصول بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت اندھی بانٹ نہیں ہے۔ وہ اوصاف اور بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ حقیقی کام یابی داعی فرد یا جماعت کے لیے آخرت کی ابدی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو پا کر جنت پانا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے میں کامیاب ہونا ہے۔ اگر دنیا میں مدعو فرد یا قوم نے دعوت کی حجت پوری ہونے کے بعد دعوت حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا یا داعی کی زبردست مخالفت کر کے اس کو نقصان پہنچایا تو یہ داعی اور دعوت کی ناکامی کیسے ہوئی؟ یہ تو اس بدنصیب مدعو فرد یا قوم کی زبردست ناکامی ہے۔

ہمارے ملک میں مسلمان کروڑوں کی تعداد میں صدیوں سے برادران وطن کے ساتھ

رہتے ہیں۔لیکن دعوت دین کی حجت پوری کرنا تو بہت دور کی بات ہے ابھی سوکروڑ (۱۰۰ کروڑ) سے زائد آبادی کے سامنے دین کا ابتدائی تعارف بھی نہیں ہوا ہے۔غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کے گہرے بادل چھائے ہوئے ہیں ۔ ایک بڑا سبب مسلمانوں کا مجموعی حیثیت میں اسلام کی ترجمانی اور نمائندگی نہ کرنا اور دین کا تعارف نہ کرانا ہے۔سخت تعجب اور حیرت بھی ہوتی ہے کہ برادران وطن اسلام کے بارے میں سننے اور سمجھنے کے خواہش مند ہیں۔ ہم بعض انبیاء کے بارے میں قرآن میں پڑھتے ہیں کہ ان کی قوموں نے دعوت سننے سے انکار کردیا۔کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں ۔آنکھیں بند کرلیں۔ان کو راستے سے آتے ہوئے دیکھا تو راستہ بدل دیا۔ بعض انبیاء کی تو شدید مخالفت کی ۔ اذیتیں پہنچا پہنچا کر شہید کردیا۔ حالاں کہ وہ انبیاء داعیانہ صفات میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔لیکن غور کریں کہ اس ملک میں آج بھی برادران وطن بڑی خوشی سے عیدملن، دعوت افطار، سمپوزیم، خطاب عام اور قرآن پروچن جیسے اجتماعی پروگراموں میں شریک ہوتے ہیں۔اس کے ساتھ وہ انفرادی ملاقاتوں، بہ شکل وفد ملاقات اور خاندانی سطح پر ملنے جلنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گویا خصوصی انعام ہے کہ مسلمان اس سے فائدہ اٹھا کر دعوت کا خوب خوب کام کریں۔اس میں تاخیر، غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے حالات اتنے خراب ہوئے ہیں۔اب مزید تاخیر، لاپرواہی اور بے توجہی ہوئی تو گویا اجتماعی خودکشی کی تیاری ہے! خدا نہ کرے! برادران وطن جب اسلام اور پیغمبر اسلام کی باتیں سنیں گے تو ضرور سمجھنے اور غور کرنے کی کوشش کریں گے۔ان کے دل میں حق کی سچی طلب ہو اور خدا سے اس کی بارگاہ میں طالب حق بنیں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں قبول حق کی سعادت ضرور عطا فرمائیں گے۔

یوں تو دنیا میں کوئی نظریہ اور نظام اپنے مبلغین اور داعیوں میں ہی نہیں بلکہ اپنے ماننے والوں میں بھی قول وفعل کے تضاد کو گوارا نہیں کرتا بلکہ کچھ اوصاف کو لازماً ان کی زندگیوں میں کارفرما دیکھنا چاہتا ہے۔یہی اصول اس دعوت حق اور اس فریضہ کی ادائیگی کے سلسلے میں صد فی صد درست ہے۔ان داعیانہ اوصاف کی کچھ تفصیل بیان کی جائے گی۔انبیاء کی تاریخ دعوت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک خاص پہلو سامنے آتا ہے ۔ انبیاء اپنے مخلص اور صادق پیروؤں کے اندر داعیانہ اوصاف پروان چڑھاتے اور اس کی نگہداشت فرماتے۔ان کے پیروؤں کے سامنے انبیاء کی

قابلِ تقلید زندگی ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر خاص فضل ہے کہ داعیانہ اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنے کے ذرائع با قاعدہ قرآن، حدیث اور سیرت رسولؐ کی شکل میں موجود ہیں۔ یہ ذرائع مستند، محفوظ اور مکمل و جامع ہیں۔ اس بارے میں رہ نمائی کے لیے کسی اور طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آگے داعیوں کے لیے کچھ صفات کا تذکرہ کیا جائے گا۔

۱- اخلاص وللّٰہیت

اخلاص وللّٰہیت کا تعلق داعی کے اندرون سے ہے۔ دعوتی کام میں اس کی نیت، ارادے اور محرک کی حقیقت کیا ہے؟ دعوت دین کا کام کرتے ہوئے داعی کے اندرونی جذبات واحساسات کس کے لیے وقف ہیں؟ کن کے مفاد کے لیے وہ کام کر رہا ہے؟

ان دونوں صفات کا تعلق داعی کے اندرون سے ہے۔ لیکن اگر اس کے برخلاف صفات مثلاً ریاکاری، شہرت اور نام ونمود یا مادی مفادات کا حصول یا غلط خواہش نفسانی پرورش پاتی ہیں تو اس کا اظہار ہو کر رہتا ہے۔ اس کے نتیجے میں آخرت کی ناکامی تو یقینی امر ہے لیکن اس دنیا میں بھی داعی کے لیے کامیابی ممکن نہیں ہے۔

دنیا کی تاریخ میں دعوت کے اولین اور سب سے بڑے علم بردار انبیاء رہے ہیں۔ اخلاص وللّٰہیت کی غیر معمولی اہمیت دیکھیے کہ وہ اپنی دعوت کو پہلی بار پیش کرتے ہیں تو یہ اعلان ضرور کرتے ہیں کہ میں اس کام پر تم سے کوئی اجر، صلہ یا بدلہ نہیں چاہتا میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے۔ حضرت نوحؑ اپنی قوم سے فرماتے ہیں:

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ (ہود:۲۹)

''اے میری قوم! میں تم سے اس پر (یعنی دعوت دینے) کوئی مال نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''

سورۂ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہی مقام پر اٹھارہ پیغمبروں کے نام کی صراحت اور ان کا ذکر خیر کرنے کے بعد فرمایا:

(اے نبیؐ) وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے، انہی کے راستہ پر تم چلو، اور کہہ

دو کہ میں (اس تبلیغ وہدایت کے) کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ یہ تو ایک عام نصیحت ہے تمام دنیا والوں کے لیے۔'' (انبیائے کرام کی دعوت، ص ۱۲۰)

معلوم ہوا کہ اخلاص میں دو باتیں لازماً شامل رہنی چاہییں۔ ایک تو داعی مدعو سے کسی بھی حال میں اپنے کام کا بدلہ نہ چاہے۔ دوسرا یہ کہ بدلہ اور اجر صرف اللہ سے چاہے۔ قرآن مجید میں دین پر مکمل طور پر عمل کرنے، بندگیِ رب کی دعوت دینے کے سلسلے میں اخلاص اختیار کرنے کی تعلیم بار بار دی گئی ہے۔

اخلاص وللّٰہیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے مولانا صدرالدین اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

''اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ تحریک کے مقصد (اقامت دین اور مشن دعوت دین) پر دل یکسر مطمئن اور اس کی خاطر جدوجہد کے لیے ذہن بالکل یکسو ہو، دنیا کے کسی اور کام کو اس کا شریک نہ بنایا جائے۔ حتیٰ کہ اس کی بابت کچھ سوچا بھی نہ جائے۔ اپنی تمام دوڑ دھوپ اسی کے لیے خاص کر دی جائے۔ فکر پر وہی چھایا ہوا ہو اور عمل وحرکت کی باگیں تمام تر اسی کے ہاتھوں میں ہوں۔ دوسری کسی چیز سے اگر تعلق ہو تو صرف اسی حد تک جس حد تک کہ خود یہ مقصد تحریک اس کا تقاضا کرتا ہو یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ اس کی اجازت دیتا ہو۔''

(راہ حق کے مہلک خطرے، ص: ۱۷)

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ نے للّٰہیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''للّٰہیت کا مطلب یہ ہے کہ مقصد تحریک (اقامت دین اور دعوت دین کا مشن) کے ساتھ یہ تعلق اور اس تعلق میں یہ اخلاص صرف اللہ کے لیے اور صرف اسی کی رضا کے لیے ہو۔ اس کی رضا کے سوا نہ کسی اور کی رضا کا دل میں گزر ہو اور نہ اس حقیقی غایت اور اس اعلیٰ مفاد کے سوا اور کوئی غایت اور مفاد نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکے۔ اپنی ذات اور اپنا خاندان، اپنی قوم اور اپنی ملت، اپنی پارٹی اور اپنی جماعت، اپنا ملک اور اپنا وطن، پوری انسانیت اور ساری دنیا، ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کی رضا یا جس کا مفاد مقصد تحریک (اقامت دین اور مشن دعوت دین) سے وابستگی کا اصل محرک بن سکے۔ اس وابستگی کا حقیقی محرک اول اور آخر، صرف اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی کا حصول ہو۔''

(راہ حق کے مہلک خطرے، ص: ۱۷، ۱۸)

اخلاص کو اس کی ضد والی صفات سے مزید بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے یعنی ریا کاری، نام ونمود اور مقبولیت کی خواہش یا کسی نہ کسی شکل میں اللہ کے بجائے دوسروں سے بدلہ چاہنا۔ درج ذیل حدیث سے اس کی حقیقت سامنے آتی ہے:

> حضرت ابوامامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبیؐ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا: آپ فرمائیں ایک شخص جنگ کو جاتا ہے۔ ثواب اور شہرت دونوں کا طلب گار ہے۔ اسے کیا ملے گا؟ رسول اللہؐ نے فرمایا: اسے کچھ نہیں ملے گا۔ اس شخص نے یہ سوال تین دفعہ دہرایا۔ ہر دفعہ آپؐ فرماتے تھے: اسے کچھ نہیں ملے گا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ صرف اس عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لیے کیا جائے اور صرف اس کی رضامندی مقصود ہو۔
>
> (سنن نسائی حدیث نمبر ۳۱۴۲)

> حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ جب الحزن سے پناہ مانگا کرو۔ صحابہؓ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا: جہنم میں ایک وادی ہے کہ خود جہنم روزانہ سو مرتبہ اس سے پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہؐ اس میں کون لوگ جائیں گے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: وہ قرآن پڑھنے والے جو دکھلاوے کے لیے اعمال کرتے ہیں۔ (ترمذی)

کیا ہوگا انجام ان داعیوں کا جو دعوتِ دین کا کام اللہ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ لوگوں کو دکھانے کے لیے کرتے ہیں؟

راہ دعوت قربانی اور ایثار کا مطالبہ کرتی ہے۔ داعی راہ دعوت میں قربانیاں دے کر اور ایثار کر کے کسی نہ کسی شکل میں انسانوں سے اس کا دنیا ہی میں بدلہ چاہے یہ اخلاص کے خلاف ہے۔

داعی اپنی نیت، ارادے اور جذبات پر خاص نگاہ رکھے۔ اس میں نفس کو ذرہ برابر رعایت نہ دے۔ بے لاگ احتساب اور جائزہ لیتا رہے۔ دل میں کسی طرح کی ذرہ برابر اور ادنیٰ خواہش کے بغیر لوگوں میں داعی کا ذکرِ خیر ہو، لوگ محبت کرنے لگیں اور مقبولیت ہونے لگے تو یہ سب خدا کی طرف سے ہے۔

اخلاص وللّٰہیت کی کیفیت کے اندر گھٹنے بڑھنے کے مرحلے بھی آتے ہیں۔ داعی قرآن

وسنت کا مطالعہ، صالح لٹریچر، صالح صحبت وغیرہ کے پاکیزہ اور مستند ذرائع کی مدد سے خلوص وللّٰہیت کی کیفیت میں اضافہ کرتا رہے۔ دعا کا خصوصی اہتمام بھی کرتا رہے۔ داعی اس حقیقت کو ہمیشہ سامنے رکھے کہ خلوص وللّٰہیت کے ساتھ راہ دعوت میں چھوٹی سی سرگرمی اجر وثواب کے حوالے سے احد کے پہاڑ کے برابر ہوسکتی ہے۔ دوسری طرف احد کے پہاڑ برابر دعوتی کوشش خلوص وللّٰہیت کے فقدان کے سبب کھوٹا سکہ قرار پائے گی۔ داعی کو اجر تو درکنار جہنم کے خوف ناک عذاب کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ اللہ کی پناہ۔ اللہ اپنی حفاظت میں رکھے۔ ریاکاری اور دکھاوے کی نیت کے ساتھ دعوت، ہجرت، نصرت، جہاد اور شہادت جیسی عظیم الشان نیکیاں آخرت میں کھوٹا سکہ قرار پائیں گی۔

دعاۃ کی کوششوں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت بخشی کے بعد ایک رجحان یہ پیدا ہورہا ہے کہ فلاں داعی کے ہاتھ پر ہزاروں لوگوں نے قبول حق کیا۔ ایک داعیہ کا تعارف ایک مجلس میں کراتے ہوئے بتایا گیا کہ ایک لاکھ وطنی خواتین ان کے ذریعہ ایمان لائی ہیں۔ ایک داعی کے پروگرام کے پوسٹر راقم نے ایک شہر میں دیکھے۔ ان کے نام کے ساتھ داعیِ اعظم لکھا ہوا تھا۔ ایک فتنہ یہ ہوتا ہے کہ داعی کے عقیدت مند مبالغہ آمیزی اور غلو سے محبت میں داعی کو بڑے بڑے القاب یا خطابات سے نوازتے ہیں۔ ان سب کی خوب تشہیر ہوتی ہے۔ داعی کو چاہیے کہ ان سب باتوں سے اپنے چاہنے والوں کو منع کرے۔ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا رہے کہ کہیں نفس میں دنیوی شہرت اور مقبولیت کی ذرہ برابر طلب پیدا ہوگی تو دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہوجائیں گی۔ قرآن کا یہ ارشاد دیکھیے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝۱۵ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۠ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶

''جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی رونق چاہتا ہو تو ہم اس کا عمل اسی دنیا میں پورا کردیں گے، بے کم وکاست، ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں مگر آگے اس دنیا میں انھوں نے جو بنایا وہ مٹ گیا اور جو لیا وہ برباد ہوگیا۔'' (ہود: ۱۵، ۱۶)

اگر کسی داعی کے متعلق اس کے ساتھیوں کو یقینی طور پر معلوم ہوجائے کہ وہ اخلاص وللّٰہیت کی کمی کا شکار ہے تو اس بات کو نظر انداز نہ کریں۔ دین نصیحت اور سراسر خیر خواہی کا نام ہے۔ اپنے داعی ساتھی کی نہایت دل سوزی اور دردمندی کے ساتھ اصلاح کے لیے کوشش کریں۔ دعا کا بھی خاص طور پر اہتمام کریں۔

اگر داعی کے اندر ریا، نام ونمود اور مقبولیت کی ناپاک خواہش پیدا ہوجانے کا شائبہ ہو اور ساتھی متوجہ کریں تو اس کا برا نہیں ماننا چاہیے۔ اگر ساتھیوں کو غلط فہمی ہوئی ہے تو اس کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن بے لاگ جائزہ اور احتساب کی روشنی میں یہ باتیں صحیح محسوس ہوتی ہیں تو پھر توبہ واستغفار کرکے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں اور عزم کریں کہ آئندہ زندگی میں ان سے بچ کر رہنا ہے۔ احتیاطی تدابیر کا اہتمام بھی اس سلسلے میں ضروری ہے۔ مثلاً اپنی دعوتی کارکردگی کو مبالغہ کے ساتھ دوسروں کے سامنے بیان کرتے رہنا، اسی طرح دوسرے لوگ آپ کے منہ پر تعریف کرنے لگیں تو ان کو خاموش کرنے کے بجائے دل کی رغبت اور شوق سے ان کی تعریف سننے میں مشغول ہوجائیں۔ ایک تدبیر دعوتی کوششوں اور ان کے نتائج کی غیر ضروری تشہیر سے بچنے کی ہے۔ اس سے بھی نفس کو شہ ملتی ہے۔ غرض شیطان اور نفس کے شر اور آفات سے ہمیشہ پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔

۲۔ تعلق باللہ

داعی کے لیے یہ ایک بنیادی صفت ہے۔ اس صفت کے ساتھ کئی اہم صفات جڑی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان ویقین اور اللہ اور اس کے رسولؐ سے گہری محبت کے بعد دین کے داعی کے لیے سب سے زیادہ اہم صفت اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا کرنا ہے۔ تعلق باللہ کو داعی جتنا مستحکم کرے گا اور اس کے تقاضوں کی ادائیگی میں آگے ہوگا اتنا ہی دعوت کو فروغ ملے گا۔ داعی کے اوپر دعوت دین کے حوالے سے کئی اہم ذمہ داریاں ہیں۔ ان ذمہ داریوں کو وہ پورا کرتا ہے تو دعوت کامیابی کے مراحل طے کرتی ہے۔ اس میں ناکامی دراصل فریضۂ دعوت کی ادائیگی میں ناکامی ہے۔ اس کی اصل اور اہم ذمہ داری اپنی پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں رنگ کر اسلام کی ترجمانی اور بھرپور نمائندگی کرنا ہے۔ اس کے ساتھ دوسری ذمہ داری اپنے گھر اور

خاندان کو اسلام کا عملی اور بہترین نمونہ بنانا ہے اس کا گھر بھی داعی بنے یہ ایک مثالی صورت حال ہے۔ تیسری نازک ذمہ داری برادرانِ وطن میں اسلام کی دعوت دینا ہے۔ ایک اور ذمہ داری فطری طور پر عائد ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو دعوت کے لیے تیار کرنا۔ اس کے علاوہ داعی کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ انفرادی حیثیت میں انسانوں کی بے لوث خدمت کرے اور حسن سلوک اور حسن اخلاق سے پیش آئے۔ ان گوناگوں ذمہ داریوں کو ادا کرنے یا ان کا حق ادا کرنے کے لیے داعی کے اندر اللہ تعالیٰ سے نہایت گہرا اور ہمہ جہت تعلق ناگزیر ہے۔

انسان اس دنیا میں کبھی فطری اعتبار سے تنہا زندگی نہیں گزار سکتا۔ وہ کسی سے کوئی تعلق رکھے بنا رہ بھی نہیں سکتا۔ اس طرح کی زندگی غیر فطری اور غیر انسانی ہے۔ اس کے تعلقات کا دائرہ بہت پھیلا ہوا ہے۔ وہ والدین، بیوی بچے، رشتہ دار، پڑوسی اور سماجی تعلقات کے بندھن میں بندھا ہوا ہے۔ انسان جس سے جتنی محبت کرتا ہے اتنا ہی تعلق رکھتا ہے اور اتنا ہی زیادہ تعلق کے تقاضوں کو نبھاتا بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق اور بے پناہ محبت داعی کے لیے جس قدر ضروری ہے اتنا ہی ضروری بندوں سے تعلق اور محبت بھی ہے۔ ایک اعتبار سے تعلق باللہ اور اللہ کی محبت کی کسوٹی یہ ہے کہ داعی کو بندوں سے کتنی محبت اور کس قدر تعلق ہے۔ راہ دعوت ہی میں نہیں پوری زندگی میں اہل ایمان کے لیے ایک ہی قابل تقلید نمونہ رسول اکرمؐ کا ہے۔ داعیان دین تو اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں عام اہل ایمان سے بڑھ کر رسول اکرمؐ کے مبارک نمونے کی پیروی کے محتاج ہیں۔ اب دیکھیے کہ رسول اکرمؐ کا نمونہ کیا ہے؟ آپؐ نے اپنی زندگی میں اہل ایمان اور عام انسان تو الگ کٹر دشمنوں اور خون کے پیاسے مخالفین سے بھی کبھی تعلق منقطع نہیں فرمایا اور نہ ہی نفرت کا رویہ رکھا۔ ہمیشہ تمام انسانوں بشمول بدترین مخالفین اور مخلص جان نثار پیروؤں، سب سے تعلقات برقرار رکھے اور ان کا احترام کیا، عفو ودرگزر کا معاملہ فرمایا۔ ان سب پر اپنے لطف وکرم کا سایہ فرمایا۔ ان کے ساتھ سختی اور درشتی سے نہیں پیش آئے۔

ایک اہم سوال یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں سے گہرا تعلق اور محبت کس لیے؟ ظاہر اس کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ تعلق اور محبت کے وجہ سے ہی داعی ان تک دعوت اور ہدایت

پہنچانے میں کام یاب ہوسکتا ہے۔ اگر داعی ان کی مخالفت، ظلم وستم اور دعوت کو ناکام بنانے کی چالوں کی بنا پر عفو درگزر کے بجائے نفرت کرنے لگے، دوری، بے تعلقی اور درشت رویہ اختیار کر بیٹھے تو دعوت پہنچانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اسی طرح لوگوں کے کفر وشرک، الحاد، اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور سرکشی کی بنا پر بے تعلق ہوجائے اور نفرت کرنے لگے تو پھر دعوت کیسے پہنچائے گا؟ وہ تو ان کی ہلاکت کی بددعا ہی کرے گا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تعلق باللہ کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

''تعلق باللہ سے مراد جیسا کہ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے یہ ہے کہ آدمی کا جینا اور مرنا اور اس کی عبادتیں اور قربانیاں سب کی سب اللہ کے لیے ہوں۔''

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾

(الانعام:۱۶۲)

''میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت میرا جینا، میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔''

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ ﴿۵﴾ (البینہ:۵)

اور وہ پوری طرح یکسو ہوکر اپنے دل کو بالکل اللہ کے لیے خالص کرکے اس کی بندگی کرے۔ ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کرکے، بالکل یکسو ہوکر۔''

مولانا مودودیؒ رسول اکرمؐ کے بعض ارشادات کو نقل کرکے تعلق باللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تعلق باللہ کے معنی ہیں: کھلے اور چھپے ہر کام میں اللہ کا خوف محسوس کرنا اور یہ کہ اپنے ذرائع ووسائل کی بہ نسبت تیرا بھروسہ اللہ کی قدرت پر زیادہ ہو اور یہ کہ آدمی اللہ کو راضی کرنے کے لیے لوگوں کو ناراض کرلے اور اس کے بالکل برعکس بات یہ ہے کہ آدمی لوگوں کو راضی کرنے کے لیے اللہ کی ناراضگی مول لے۔ پھر جب یہ تعلق بڑھتے بڑھتے اس

حد تک کو پہنچ جائے کہ آدمی کی محبت اور اس کی دشمنی اور اس کا دینا، روکنا اور جو کچھ بھی ہو اللہ کے لیے اور اللہ ہی کی خاطر ہو اور نفسانی رغبت ونفرت کی لاگ اس کے ساتھ نہ لگی رہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے تعلق باللہ کی تکمیل کر لی ہے۔'' (تحریک اور کارکن ص: ۱۱۴، ۱۱۵)

داعی کے لیے ضروری ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق کو تمام تعلقات کے اوپر رکھے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام تعلقات والدین، بیوی، اولاد، رشتہ دار، دوست احباب عارضی اور ثانوی ہیں۔ ان تعلقات کی درستگی کا انحصار بھی اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو تعلق ہو اس تعلق کے تقاضوں کا نہ صرف شعور ہو ان کی ادائیگی کے لیے فرد کمر بستہ ہو۔ کیوں کہ یہ اس کے تزکیہ وتربیت اور حصول احسان کی کیفیت کا سوال ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ سے تعلق کے نتیجے میں اس کی ہستی ذات وصفات کے شعور کے ساتھ محبت کا مرجع بھی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت تمام دوسری محبتوں پر ہمیشہ غالب ہو۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (البقرہ:۱۶۵)

''انسانوں میں سے کچھ ہیں جو اللہ کے سوا (دوسروں کو اس کا) ہمسر ٹھہراتے ہیں۔ وہ ان سے محبت رکھتے ہیں ویسی جیسی کہ اللہ سے ہونی چاہیے لیکن ایمان والوں کی اللہ سے محبت ان سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔''

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ (التوبہ:۲۴)

''(اے نبیؐ!) ان سے کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی تمہاری بیویاں تمہارا خاندان اور وہ مال جو تم نے کمایا ہے وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ مکانات جو تمہیں پسند ہیں اگر تمہیں اللہ اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرما دے اور اللہ

فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

تعلق باللہ کی حقیقت واضح ہوجانے کے بعد اس کے تقاضوں اور اس سے متعلق ضروری صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے درج ذیل صفات گنائی ہیں:

شکر عبادت اطاعت اخلاص محبت

خوف حیاوفا حمیت حمایت جہاد

ان صفات کے تفصیلی مطالعہ کے لیے مولانا کی کتاب 'تزکیۂ نفس' کے صفحات ۳۲۴ تا ۳۹۷ کو دیکھ لینا چاہیے۔

ڈاکٹر خالد علوی تعلق باللہ کے تقاضوں اور استحکام کے لیے درج ذیل صفات کا تذکرہ کرتے ہیں:

عبادت ذکروفکر مصاحبت (اچھے انسانوں کی صحبت) دعا

خدمت خلق وعظ ونصیحت اسوۂ حسنہ کی پیروی

ان کی تفصیلات کو جاننے کے لیے ان کی کتاب 'انسان کامل' صفحات ۲۶۸ تا ۲۸۸ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

تعلق باللہ کو بڑھانے کے لیے قرآن مجید کا تدبر کے ساتھ مطالعہ باقاعدگی کے ساتھ کریں۔ ایک مرتبہ مطالعے کرکے چھوڑ نہ دیں۔ مطالعہ کی تکرار ہوتی رہے۔ عملی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی پانے کے تمام کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اللہ تعالیٰ کے دین کے فروغ اور سربلندی کو سب سے اونچا مقام دیں۔ اس کے لیے ہر جدوجہد، قربانی اور ایثار کرنے میں دریغ نہ کریں۔

اسلامی عبادات فرائض اور نوافل تعلق باللہ کی بڑھوتری میں خاص رول ادا کرتے ہیں۔ اس لیے فرائض کو پورے حقوق، آداب اور شرائط کے ساتھ ادا کرتے رہیں۔ نوافل میں نماز، روزہ اور انفاق کا خصوصی اہتمام ہو۔ ذکر الٰہی کا التزام کریں۔ اس کے ساتھ مسنون دعاؤں کا روزمرہ کی زندگی میں خصوصی اہتمام تعلق باللہ میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

۳-صبر

داعی کے لیے صبر کی صفت ایک بنیادی صفت ہے۔صبر راست ایمان کا تقاضا بھی ہے۔اللہ تعالیٰ کی سنت ابتلاو آزمائش سے اس کا گہرا تعلق ہے۔صبر کے بغیر دعوت دین کا کام ممکن نہیں۔صبر کے بغیر تو خود دین پر پوری طرح عمل بھی ممکن نہیں۔یہ صفت اپنے اندر عظیم خیر و برکت اور بھلائیوں کا پوشیدہ خزانہ رکھتی ہے۔یہ وہ صفت ہے کہ جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں عطا فرمائے گا۔اخروی زندگی میں صبر کے بدلے یا اجر کے بارے میں جو بھی کہا جاسکتا ہے وہ کم ہی ہے۔

داعی کا مشن دعوت دین دراصل انبیائی مشن ہے۔قرآن مجید نے انبیاء کی دعوتوں کا ذکر کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو صبر اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔بعض انبیاء کی اس خصوصیت کا خاص طور پر تذکرہ کیا ہے کہ وہ صابر یعنی بہت صبر کرنے والے تھے۔صبر کو ان کی امتیازی خصوصیت بتایا ہے۔

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ صبر کا مفہوم بیان ہوئے لکھتے ہیں:

''شرعی اصطلاحی حیثیت سے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر حال میں انسان دین کے تقاضوں پر اور بندگی کی شان پر آنچ نہ آنے دے۔ایک طرف تو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی میں سہل انگاری کو راہ نہ پانے دے۔دوسری طرف دنیا کی زینتیں، رغبتیں اسے اپنا گرویدہ نہ بنانے پائیں۔پھر تیسری طرف ذاتی میلانات، شخصی رجحانات، خاندانی روایات اور آبائی رسوم، قومی تعصّبات اور وطنی مفادات، وقت کے فتوے اور زمانے کے فیصلے حالات کی ناسازگاریاں اور حق پرستی کی آزمائشیں سب اپنا زور دکھا کر تھک ہار جائیں، مگر مومن دین کی شاہ راہ پر بدستور جمار ہے اور رضائے الٰہی کی منزل کی طرف برابر بڑھتا رہے۔''

(اساس دین کی تعمیر، ص ۲۵۶)

داعی کے لیے صبر کا ایک ہی محاذ نہیں ہے بلکہ اسے بیک وقت کئی محاذوں پر صبر اختیار کرنا پڑتا ہے۔اگر کسی ایک بھی محاذ پر وہ صبر پر قائم نہ رہ سکے تو یہ صرف اس ایک محاذ پر اس کی پسپائی ہرگز نہیں ہے بلکہ پورے دین اور دعوت کے مشن پر اس کی مکمل پسپائی ہے۔اسی لیے رسول اکرمؐ

کودعوت کے جو بالکل ابتدائی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے ان میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ (المزمل:۱۵)

''اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کیجیے اور شرافت کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔''

کفار و مشرکین جو ہر طرح کی بے ہودگی، بدتمیزی اور غلط برتاؤ رسول اکرمؐ سے کر رہے تھے۔ اس کا جواب نہ دے کر دعوت کے کام میں صبر کے ساتھ لگے رہنے کا حکم دیا گیا۔ ان سے تعلقات منقطع کرنے کی تعلیم نہیں دی گئی۔ اسی طرح ایک اور جگہ رسول اکرمؐ کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿۷﴾ (المدثر:۷)

''اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔''

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یعنی ہر کام جو تمہارے سپرد کیا جا رہا ہے بڑے جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس میں سخت مصائب اور مشکلات اور تکلیفوں سے تمہیں سابقہ پیش آئے گا۔ تمہاری اپنی قوم تمہاری دشمن ہو جائے گی۔ سارا عرب تمہارے خلاف صف آرا ہو جائے گا۔ مگر جو کچھ بھی اس راہ میں پیش آئے، اپنے رب کی خاطر اس پر صبر کرنا اور اپنے فرض کو پوری ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ انجام دینا۔ اس سے باز رکھنے کے لیے خوف، طمع، لالچ، دشمنی، محبت ہر چیز تمہارے راستے میں حائل ہوگی۔ ان سب کے مقابلے میں مضبوطی (صبر) کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہنا۔'' (تفہیم القرآن، جلد ششم، ص:۱۴۵)

مذکورہ احکام کے مخاطب صحابہ کرامؓ تھے۔ ان کا فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر مقصد اور مشن دعوت و جہاد تھا۔ تمام اہل ایمان کو اسوہ رسولؐ اور صحابہؓ کے پاکیزہ نمونے کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ صحابہ کرامؓ نے جس طرح رسول اکرمؐ کی مبارک زندگی میں اور وفات کے بعد سارے عرب پھر ساری دنیا میں دعوتِ دین کے مشن کے لیے قربانیاں دیں، جدوجہد کی اور اپنی عظیم زندگیوں کو کھپا دیا۔ یہ نمونے رہتی دنیا تک راہ دعوت کے لیے روشنی کے مینار ہیں۔

صبر کا جونمونہ مکی زندگی میں رسول اکرمؐ اورصحابہؓ کی زندگیوں میں ملتا ہے اس کی تفصیلات یوں تو سیرت رسولؐ اورسیرت صحابہؓ میں ملتی ہیں لیکن ذیل میں صرف بعض مختصر واقعات کے اشارے دیے جارہے ہیں جوکہ صبر کے باب میں عظیم نمونے ہیں۔

- رسول اکرمؐ پرسجدہ کی حالت میں وزنی اونٹ کی اوجھڑی ڈال دینا۔سجدہ کی حالت میں چادرمبارک گلے میں ڈال کربل دینا۔اس کے علاوہ مختلف طریقوں سے اس عظیم شخصیت کواذیت پہنچائی گئی۔(سیرت رسولؐ دروس اورنصائح ص ۱۴۴)
- صحابہ کرامؓ پرناقابل بیان ظلم وستم ڈھایا گیا۔اس کا سلسلہ کئی برسوں تک مسلسل چلتارہا۔ صحابہؓ اورصحابیاتؓ کی ہجرت حبشہ اورشہادت کے واقعات پیش آئے۔(مصدرسابق ص ۱۶۲)
- شعب ابی طالب کی گھاٹی میں تین برسوں تک مسلسل سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔اس دوران کئی رونگٹے کھڑے کرنے والے واقعات پیش آئے۔(مصدرسابق ص ۱۶۲)
- طائف کے سفر کا پوراواقعہ۔(مصدرسابق ۸۷)
- مکہ میں ایک سے زائدمرتبہ رسول اکرمؐ کومکہ کی سرداری، مال ودولت، حسین خواتین کی پیش کش اورڈرایادھمکایا گیا کہ اس کام سے بازآجائیں۔(مصدرسابق ص ۱۵۳)
- ہجرت مدینہ کاواقعہ اورسفرہجرت میں پیش آنے والے واقعات۔(مصدرسابق ص ۲۳۹)

مکی زندگی سے گزرکرحضورؐ اورصحابہ کرامؓ مدینہ پہنچے تودس سالہ مدنی دور میں صبر اور استقامت کے عظیم واقعات پیش آئے۔

- تقریباً ستائیس (۲۷) غزوات اورپچپن (۵۵) سرایا یعنی تیراسی (۸۳) جنگی مہمات پیش آئیں لیکن صحابہؓ صبروثبات کی ناقابل تسخیر چٹان بنے رہے۔

داعی کے لیے صبر اختیار کرنے کا صرف کوئی ایک محاذ نہیں ہے بلکہ داخلی اورخارجی حالات اورکیفیات کے اعتبار سے متعدد محاذ ہیں۔داخلی اعتبار سے نفس، اہل وعیال، گھر اور خاندان، رشتہ دار، دوست واحباب، محلہ اوربستی یا شہروغیرہ ہیں۔خارجی اعتبار سے مدعوئین، معاشی ذمہ داریاں، سماج، بااثرلوگ اورطبقات، برسراقتدارگروہ، مخالفین اورعوام وغیرہ ہیں۔

داعی کے لیے داخلی ہو یا خارجی محاذوں کے اعتبار سے سب سے بڑا محاذ اس کا نفس ہی ہے۔ نفس کی ناجائز خواہشات، ترغیبات اور غلط و ناپسندیدہ کاموں سے بچنا بہت بڑا جہاد اور بہت بڑے صبر کا مطالبہ کرتا ہے۔ معمولی اور سادہ سا صبر نفس کے طوفان کے آگے ڈھیر ہو جاتا ہے۔ شیطان کسی بھی قیمت پر گوارا نہیں کرتا کہ کوئی مسلمان دین پر عمل کرنے کے ساتھ دین کا داعی الی اللہ بن کر شب و روز سرگرم ہو جائے۔ صحابہؓ سے ایک موقع پر جہاد سے واپسی کے سفر میں رسول اکرمؐ نے فرمایا: چھوٹے جہاد سے جہاد اکبر کی طرف چلو۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ جہاد اکبر کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ تمہارا اپنے نفس سے لڑنا جہاد اکبر ہے اور یہ جہاد پوری زندگی بھر کرتے رہنا ہے۔

نفس داعی کو اپنا غلام اور بندہ بنانا چاہتا ہے۔ داعی کے لیے یہ محاذ صبر اختیار کرنے کے حوالے سے سب سے زیادہ نازک، حساس اور مشکل ترین ہے۔ دعوت دین کے عظیم مشن کے لیے وہ ساری دنیا سے چومکھی لڑائی لڑتا ہے لیکن نفس کے آگے ڈھیر ہو جاتا ہے۔

داعی کے لیے خارجی اعتبار سے ایک دوسرا نازک، مشکل اور نہایت صبر آزما محاذ مشکلات، ابتلا، مصائب اور آزمائش کا ہے۔ راہ دعوت کبھی پھولوں کی سیج نہیں رہی، بلکہ ہمیشہ گوناگوں قسم کی مشکلات، خطرات اور جان و مال کے نقصانات کے امکانات سے بھری ہوئی ہے۔ داعی اگرچہ کبھی خواہش یا دعا نہیں کرتا کہ وہ آزمائشوں سے دوچار ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت کے تحت ایسے حالات سے دوچار ہو تو اسے صبر کی ناقابل تسخیر چٹان بن جانا چاہیے۔

قرآن مجید کی ذیل میں درج آیات پر غور کریں:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۵ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۱۵۶ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝۱۵۷ (البقرہ: ۱۵۵-۱۵۷)

''اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی

مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے، انھیں خوش خبری دے دو۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔''

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَاَ اَخْبَارَكُمْ ۝۳۱ (محمد:۳۱)

''اور ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے حتی کہ تم میں سے مجاہدین کو اور صبر کرنے والوں کو معلوم کرلیں اور ہم تمہارے حالات جانچ لیں۔''

درج ذیل احادیث کا مطالعہ بھی ایمان افروز ثابت ہوگا۔ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

- ''جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرے گا خدا اس کو صبر بخشے گا اور صبر سے زیادہ بہتر اور بہت سی بھلائیوں کو سمیٹنے والی بخشش اور کوئی نہیں۔'' (بخاری و مسلم)
- ''حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: بندہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں خیر ہی خیر ہے۔ اگر اس کو خوشی، راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہی خیر ہے اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرتے ہوئے اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لیے سراپا خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔'' (مسلم)

اس محاذ پر داعی مصیبتوں اور آزمائشوں کی یلغار سے گھبرا کر دعوت دین کے فریضے سے کنارہ کش ہوجائے تو یہ اس کے لیے دنیا اور آخرت کے نقصان کا سودا ہے۔ اس کے برعکس وہ صبر اختیار کرے اور اپنے مشن اور موقف پر ثابت قدم رہے تو یہ اس کے لیے دنیا اور آخرت کی بھرپور کامیابی کا سودا ہے۔ سورہ العصر تو واضح طور پر بتاتی ہے کہ

وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳ (العصر)

''زمانے کی قسم، انسان درحقیقت خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، نیک اعمال کرتے رہے، ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔''

اسی طرح داعی کو دعوت کے مشن سے ہٹانے کے لیے مختلف ترغیبات، مناصب اور دنیوی مراعات کی پرکشش پیش کش کی جائے تو اس کے لیے واحد راہ صبر اختیار کرنا ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو پھسل جائے گا۔ اس کے بعد نفس اور شیطان دونوں کے لیے داعی اور اس کی دعوت لقمہ تر ثابت ہوگی۔ اس ضمن میں راہ دعوت کے بعض مسافروں کے عبرت ناک واقعات شاہد ہیں۔ ان کی تفصیل میں جائے بغیر داعی کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ خصوصی تعلق قائم رکھے۔ تہجد کی نماز اور دعاؤں کا خصوصی اہتمام کرتا رہے۔ قرآن مجید میں کام یاب داعیوں کی دعائیں صبر اور اس کے فیضان کے حصول کے سلسلے میں آئی ہیں۔ یہ دعائیں بہت ہی موثر ہیں۔

دعوت دین کے آغاز کے کچھ ہی عرصہ بعد جب دعوت کا تعارف عام ہونے لگتا ہے تو داعی فرد یا گروہ اور جماعت کے بارے میں الزامات، اعتراضات اور بے بنیاد پروپیگنڈے کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ اس کو کبھی ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا جاتا۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ ملک دشمن ہیں۔ ملک کے وفادار بھی نہیں ہیں۔ کبھی کہا جائے گا کہ یہ دراصل اقتدار کے بھوکے لوگ ہیں۔ یہ الزام بھی زور وشور سے لگایا جاتا ہے کہ یہ لوگ تو مذہب کا صرف نام لے رہے ہیں اصل میں تو یہ لوگ سیاسی ہیں۔ سیاست میں مذہب کو لاکر نام کی ایک مذہبی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ روشن خیالی، ترقی اور انسانی تہذیب کے دشمن ہیں۔

داعی اپنے مشن کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے مسلمانوں کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ ان کی اصلاح کرنا، موجودہ مسلم معاشرے کو ایک اسلامی معاشرہ میں ڈھالنا، مسلمانوں کو کتاب وسنت کی بنیاد پر متحد کرکے داعی امت بنانا۔ یہ مقاصد دعوت کو تقویت پہنچانے والے ہیں کیوں کہ دین کے داعی اسی امت میں سے ملیں گے اور ایک آئیڈیل اسلامی خاندان اور معاشرہ قائم ہوگا تو وہ دعوت کے لیے زبردست مددگار ثابت ہوگا۔ موجودہ مسلم معاشرہ بگڑا ہوا معاشرہ ہے اور راہ دعوت میں ایک رکاوٹ ہے۔ داعی کے لیے ضروری ہے کہ راہ دعوت میں اپنے والدین، اپنی شریک حیات اور اپنے بچوں اور خاندان کو بھی اپنا ہم سفر بنائے۔ یہ سارے کام جلدی نتائج حاصل کرلینے کی خواہش کے برعکس ایک طویل مدت تک صبر واستقامت کے ساتھ مسلسل جدوجہد کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۴-استقامت

دعوت دین کوئی پارٹ ٹائم اور جزوی نوعیت کا مشن نہیں ہے۔ یہ پوری زندگی کا مشن ہے۔ یہ دنیا اس مشن کا میدان عمل ہے اور آخرت اس مشن کے نتیجے کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور جنت کی شکل میں پانا ہے۔ دنیوی زندگی میں مشن کی کام یابی داعی کی محض کوششوں پر منحصر نہیں ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق، نصرت اور تائید ضروری ہے۔ نصرت اور تائید خداوندی کوئی اندھی بانٹ نہیں ہے۔ یہ مشروط ہے اس بات پر کہ داعی اپنے اندر استقامت کی صفت پیدا کرے۔ دین پر ثبات اور دعوت دین پر مداومت اختیار کرے۔

استقامت کیا ہے؟ ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں:

''استقامت قوم سے ہے جس کے لفظی معنی سیدھا رہنے یا سیدھا چلنے کے ہیں۔ استقامت کسی شئے کا اعتدال اور سیدھا رہنا ہے۔ انسانی رویوں کے حوالے سے اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس بات کو حق سمجھا جائے اس پر قائم رہا جائے۔ مشکلات، مخالفت اور خطرات کا سامنا کیا جائے اور اپنے موقف پر ثابت قدم رہا جائے۔'' (انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ ۶۴۰)

دین پر استقامت کے سلسلے میں قرآن مجید کی حوصلہ بخشنے والی آیات ملاحظہ کریں:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾ نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ ﴿۳۲﴾

(حٰمٓ السجدہ: ۳۰-۳۲)

''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہوجاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے

وہ تمہاری ہوگی۔ یہ ہے سامان ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے۔''

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ یہ عقیدہ قبول کر لینے کے بعد پھر ساری عمر اس پر قائم رہے، اس کے خلاف کوئی دوسرا عقیدہ اختیار نہ کرے، نہ اس عقیدے کے ساتھ باطل عقیدے کی آمیزش کی اور اپنی عملی زندگی میں بھی عقیدۂ توحید کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے۔

توحید پر استقامت کا مفہوم کیا ہے؟ اس کی تشریح نبیؐ اور اکابر صحابہؓ نے اس طرح کی ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: بہت سے لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا، مگر ان میں سے اکثر کافر ہو گئے۔ ثابت قدم وہ شخص ہے جو مرتے دم تک اسی عقیدے پر جما رہا۔ (ابن جریر، نسائی)

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ منبر پر یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا: خدا کی قسم! استقامت اختیار کرنے والے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو گئے، لومڑیوں کی طرح ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر دوڑتے نہ پھرے۔ (ابن جریر)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: اللہ کے عائد کردہ فرائض فرماں برادری کے ساتھ ادا کرتے رہے۔ (کشاف)۔'' (تفہیم القرآن جلد چہارم، ص: ۴۵۴)

اللہ تعالیٰ رسول اکرمؐ کو ہدایت فرماتا ہے:

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۭ

(الشوریٰ: ۱۵)

''پس اسی کی طرف (اللہ) بلاتے رہو جیسا کہ آپؐ کو حکم ہوا ہے ثابت قدم رہو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔''

ایک موقع پر رسول اکرمؐ اور صحابہؓ کو ہدایت کی جاتی ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ (ہود: ۱۱۲، ۱۱۳)

''پس اے نبیؐ! تم اور تمہارے وہ ساتھی جو اللہ کی طرف پلٹ آئے ہیں راہ راست پر اس طرح قائم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور حد سے نہ بڑھو اور ان لوگوں کی طرف ذرا نہ جھکو جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کی ہے ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آ جاؤ گے، تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور کہیں سے تمہاری مدد نہ ہوگی۔''

اس مضمون کی آیات قرآن مجید میں مختلف موقعوں اور مقامات پر آئی ہیں۔ رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کو بار بار استقامت کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس سے دعوت دین کی راہ میں اس صفت کی اہمیت اور ضرورت ابھر کر سامنے آ جاتی ہے۔ جب رسول اکرمؐ اور صحابہؓ کے لیے مکہ کے شدید مخالف اور ظلم و تشدد کے ماحول میں یا عام حالات میں بھی استقامت کی اہمیت وضرورت کا کیا مقام ہے؟ غور کیا جا سکتا ہے کہ جب داعی اول وکامل اور ان کے مخلص پیرو اس صفت سے کبھی بے نیاز نہیں رہ سکتے تو آج اور بعد کے داعی دین کو اس صفت کی کتنی ضرورت ہے۔

دراصل دعوت دین کا مشن داعی کی پوری زندگی، اوقات، ذہنی وفکری صلاحیتوں اور وسائل کو کھپا دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔ ایسے کام کی مخالفت صرف اعدائے دین اور مخالفین ہی نہیں کرتے بلکہ اس کا آغاز تو نفس کی مخالفت سے ہو جاتا ہے، گھر، خاندان، اعزہ واقربا کے علاوہ داعی کے اطراف کا ماحول ساتھ نہیں دیتا بلکہ مخالفت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر برسر اقتدار گروہ کبھی ایسی دعوت کو گوارا نہیں کر سکتا اسے وہ اپنا حریف سمجھتا ہے۔ اس دعوت اور داعی کے لیے اپنے جیل کے دروازے کھول دیتا ہے۔ غرض یہ کہ داعی کو اپنے مشن کے لیے کام کرتے ہوئے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے مدد اور استقامت مانگتے رہنا چاہیے۔ آزمائشوں سے بچنے کی التجا کرتے رہنا چاہیے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔

''اے اللہ! میں تجھ سے عفو و درگزر کا طالب ہوں اور دین و دنیا اور آخرت میں تجھ سے عافیت (سلامتی) کا طلب گار ہوں۔'' (احمد، ابوداؤد)

لیکن اس راہ میں آزمائش، ظلم وستم آ ہی جائیں تو یقین کر لینا چاہیے کہ یہ خدا کے حکم سے ہے۔ اس میں چھپی مصلحتوں کو وہی بہتر جانتا ہے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ اب کوشش کرنا چاہیے کہ استقامت یعنی ثابت قدمی دکھائے۔

داعی کے لیے استقامت کا اہم پہلو نفسانی خواہشات کی بے لگام پیروی یا لالچ وتحریص میں قدموں کا ڈگمگانا بھی ہے۔ یہ کچھ کم ہلاکت خیز نہیں ہیں۔اس محاذ پر بھی داعی کو استقامت دکھانا ہوتا ہے اور مشن پر ثابت قدم رہنا ہوتا ہے۔

راہ دعوت میں داعی کی انفرادی استقامت کافی نہیں ہے۔اسے کوشش کرنی ہوگی کہ داعیوں کی ایک جماعت یا گروہ ہو۔سب مل جل کر جماعتی زندگی بسر کرتے ہوئے اپنے دعوتی مشن کے لیے استقامت اختیار کریں۔ استقامت کے ساتھ ایک مددگار صفت توکل علی اللہ کی ہے۔ یہاں اس کی تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ داعی فرد اور داعی جماعت ساری دنیا سے کٹ کر بس ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کا دامن تھام لے۔آخرت پر اپنی ساری توجہات کو مرکوز کردے۔یکسو اور حنیف بن کر راہ دعوت پر گامزن ہوجائے۔قرآن کا یہ اعلان قابل غور ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ﴿٨﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ﴿٩﴾ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ﴿١٠﴾ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ﴿١١﴾

(المزمل:۸-۱۱)

''(اے نبیؐ!) اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔ وہ مشرق ومغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے لہٰذا اسی کو اپنا وکیل بنالو۔اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ ان سے الگ ہوجاؤ۔ ان جھٹلانے والے خوش حال لوگوں سے نمٹنے کا کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔''

مولانا مودودیؒ توکل اور استقامت کے درمیان تعلق کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

''آدمی کو ان وعدوں پر پورا بھروسہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کا رویہ اختیار کرنے والے اور باطل کے بجائے حق کے لیے کام کرنے والے بندوں سے کیے ہیں اور انھیں وعدوں پر اعتماد کرتے ہوئے وہ ان تمام فوائد اور منافع اور لذائذ کو لات مار دے جو باطل کی راہ پر جانے کی صورت میں اسے حاصل ہوتے نظر آتے ہوں اور ان سارے

نقصانات، تکلیفوں اور محرومیوں کو انگیز کر جائے، جو حق پر استقامت کی وجہ سے اس کے نصیب میں آئیں۔'' (تفہیم القرآن، جلد چہارم، ص ۵۰۷)

یہ امت مسلمہ کے لیے داخلی اور خارجی فتنوں کا زمانہ ہے۔ نئے نئے چیلنجز اور خطرات امت مسلمہ ہی نہیں عام انسانوں کو درپیش ہیں۔ ایسے حالات اور چیلنجز کے دور میں داعیوں کے مٹھی بھر گروہ کو اجتماعی استقامت کی کتنی ضرورت ہے اس کا اندازہ لگانا آسان بات نہیں ہے۔ اس لیے کہ داعیان حق کا ایک مٹھی بھر گروہ استقامت کا مظاہرہ کرے گا تو وہ ملت اور اس کے اندر دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے نمونہ بنے گا۔ قرآن مجید میں استقامت کے زبردست نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ اصحاب کہف کا واقعہ اس کی بہترین مثال ہے۔ چند نوجوانوں نے اپنے ایمان کو بچانے، ارباب اقتدار کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے اپنے شہر سے ہجرت کی اور ایک غار میں جا کر پناہ لی۔ اس کی پوری تفصیل سورۂ الکہف میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس طرح استقامت کا ایک اہم نمونہ جادوگروں کی سیرت میں ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی دعوت کو جھٹلا کر جادو قرار دیا تھا۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو چیلنج دیا تھا۔ جشن کے دن فرعون کے جادوگر مقابلے میں شکست کھا گئے اور ان پر حضرت موسیٰؑ کا حق پر ہونا آشکارا ہو گیا تو وہ بے اختیار سجدے میں گر گئے اور حضرت موسیٰؑ کو پیغمبر تسلیم کرتے ہوئے خدائے واحد پر ایمان لے آئے۔ فرعون نے اس منظر کو دیکھ کر سخت دھمکی دی۔ اس نے پہلے تو سازش کا الزام لگایا۔ پھر کہا کہ مخالف سمت سے ہاتھ پیر کٹوا کر کھجور کے تنوں پر کیل ٹھونک کر سولی دی جائے گی۔ لیکن جادوگر اس خوف ناک دھمکی سے ذرّہ برابر متاثر نہیں ہوئے، بلکہ انھوں نے استقامت کا ثبوت دیا اور ایمان پر قائم رہے۔

۵- دنیا سے بے رغبتی

دعوت کے مشن کے لیے کام کرتے ہوئے داعی جن بنیادی عقائد کی طرف بلاتا ہے ان میں توحید اور رسالت کے علاوہ آخرت پر ایمان اور پختہ یقین شامل ہے۔ داعی کے اندر آخرت پر ایمان اور پختہ یقین کے نتیجے میں ایک کیفیت ہمیشہ طاری ہوتی ہے۔ یہ کیفیت دنیا سے

بے رغبتی کی ہے۔ داعی، دعوت کے ذریعہ مدعو سے کسی بھی شکل میں کوئی بدلہ، عوض اور مدد یا مفاد نہیں چاہتا۔ اس کے پیش نظر دعوت کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت اور رہ نمائی ہوتی ہے۔ مدعو کی قبولیت حق اور عذاب جہنم سے بچنے کی تڑپ وہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ داعی کی نگاہ از اول تا آخر آخرت کے اجر، اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی پر جمی ہوتی ہے۔ وہ کسی برادر وطن یا ان کے کسی گروہ، طبقہ اور مجمع کو دیکھتا ہے تو اس کے اندر حرص پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس فکر اور کوشش میں لگ جاتا ہے کہ کیسے ان تک اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رہ نمائی پہنچائے تاکہ وہ اس پر غور کر کے قبول کرلیں۔ داعی دعوت پہنچانے میں بے دریغ اپنا وقت، مال اور صلاحیتوں کو جھونک دیتا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رزق حلال کے حصول کی جدوجہد متاثر ہونے لگتی ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ اسے نہایت سادہ اور کفایت شعاری کے ساتھ زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ وہ اور اس کے اہل خانہ پڑوسیوں اور رشتہ داروں کو دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ وہاں دنیوی ساز وسامان کی کثرت ہے جب کہ وہ ان سب سے محروم ہیں۔ بعض اوقات روزمرہ کی زندگی کے لیے ضروری ساز وسامان بھی پورا نہیں ہوتا۔ اس دور میں معیار زندگی بلند کرنے کا غلط تصور ہر کسی پر چھایا ہوا ہے۔ ایسے حالات میں داعی اپنی جگہ، خوش اور مطمئن ہو لیکن اہل خانہ کو وہ کیسے مطمئن کرے؟ اہل خانہ کا دباؤ پڑتا ہے۔ داعی اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کر کے ثابت قدمی دکھاتا ہے۔ اہل خانہ کی تربیت داعی کی اولین ترجیحات میں شامل ہوتی ہے۔ ان معاملات میں داعی کی نگاہ اور سوچ جس طرح کی ہوتی ہے ٹھیک اس کے اہل خانہ کی بھی ہو جائے تو گھر کے داخلی محاذ پر کوئی مسئلہ نہیں کھڑا ہوتا ورنہ داعی کے لیے اہل خانہ کی جا و بے جا خواہشات اور مطالبات کو پورا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ داعی کے لیے راہ دعوت بہت ہی نازک ہو جاتی ہے۔ اسے راہ عدل واعتدال کو اختیار کرنا ہوتا ہے۔

داعی اور اس کے اہل خانہ کے سامنے قرآن کی یہ رہ نمائی ہمیشہ رہنی چاہیے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ

ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ (آل عمران: ۱۴، ۱۵)

''لوگوں کے لیے مرغوبات نفس، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں۔ بڑی خوش آئند بنادی گئی ہیں۔ مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔''

دنیوی زندگی کے متعلق قرآن مجید کی یہ رہ نمائی بھی داعی کے سامنے ہمیشہ رہتی ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (الحدید: ۲۰، ۲۱)

''خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہوگئے، پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی۔ پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے۔ دنیا کی زندگی دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔ دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے۔''

دنیا سے بے رغبتی کے لیے ہر حال میں اور ہر قدم پر آخرت کو ترجیح دینا ہوگا۔ داعی زندگی بسر کرنے کے مختصر ساز و سامان پر راضی ہو کر اپنے اوقات، صلاحیتوں اور وسائل کو آخرت کی کام یابی کے لیے جھونک دیتا ہے۔ کیوں کہ آخرت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ دنیا فانی،

عارضی اور جلد ختم ہوجانے والی ہے۔ آخرت کی کام یابی کے حصول کی راہ دعوت دین کے مشن کو زندگی کا واحد مشن بنا کر جدوجہد کرنا ہے۔

''بخدا آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال بس ایسی ہی ہے کہ آدمی سمندر میں انگلی ڈال کر دیکھے کہ وہ اپنے ساتھ کیا چیز لے کر لوٹتا ہے۔'' (مسلم)

داعیانِ دین کو دنیا کی حقیقت اور اس سے سبق حاصل کرنے کے لیے نہایت دل نشین انداز میں حضورؐ نے ایک مرتبہ اس طرح تفہیم کرائی:

مولانا محمد یوسف اصلاحی لکھتے ہیں کہ آپ صحابہ کرامؓ کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے۔ راستے میں بکری کا مرا ہوا بچہ پڑا تھا۔ اس کا کان کٹا ہوا تھا۔ آپؐ نے بکری کے اس مردار بچے کو کان پکڑ کر اٹھایا اور صحابہؓ سے پوچھا: تم لوگوں میں سے کون اس مردہ بچے کو ایک درہم میں لینا پسند کرتا ہے۔ صحابہؓ نے جواب میں بتایا کہ ہم تو اس کو کسی بھی چیز کے عوض لینا پسند نہیں کریں گے۔ خدا کی قسم! اگر یہ زندہ ہوتا تو بھی کن کٹا عیب دار تھا اور اب تو یہ مردار ہے (بھلا یہ کس کام کا ہے کہ کوئی اس کی خواہش کرے)۔ جب صحابہؓ کے ذہن یکسو ہو گئے تو آپؐ نے سادہ انداز میں نہیں بلکہ یقین کی پوری قوت سے خدا کو گواہ بنا کر اور اس کی قسم کھا کر نہایت زور دے کر فرمایا:

خدا کی قسم! یہ دنیا خدا کی نظر میں اس سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہے جتنا یہ بکری کا مردار بچہ تمہاری نظر میں حقیر و ذلیل ہے۔ (داعی اعظمؐ، ص ۱۷۱، ۱۷۲)

دعوت دین کا عظیم مشن داعی کا تمام وقت، صلاحیت اور قوت کو نچوڑ لیتا ہے۔ داعی کے لیے ضروری ہے کہ اپنی معاش کو اس مشن کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے دے۔ داعی کے سامنے خوب اچھی طرح یہ حقیقت رہتی ہے کہ اسی دنیا کی ایک ہی زندگی میں والدین، بیوی بچوں، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنا ہوتا ہے اور یہی عرصہ حیات ہے جس میں دعوت دین کے لیے جدوجہد کرنا ہوتا ہے۔ وہ توازن اختیار کرتا ہے۔ اعتدال کی زندگی بسر کرتا ہے۔

داعی کو اللہ تعالیٰ نے اگر مال و اسباب کی فراوانی سے نوازا ہے تو وہ حقوق اللہ کی ادائیگی، زکوٰۃ اور صدقات دینے اور انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ زندگی بسر کرسکتا ہے۔ دنیا کی پاکیزہ نعمتیں اہلِ ایمان ہی کے لیے ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۳۲ (الاعراف:۳۲)

''اے محمدؐ! ان سے کہو، کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا۔ اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں۔ کہو: یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں، اور قیامت کے روز تو خالصتاً انھیں کے لیے ہوں گی۔ اس طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھنے والے ہیں۔''

داعی کے لیے دنیا سے بے رغبتی کے متعلق قرآن وسنت کی تعلیمات کے ساتھ حضورؐ کے مبارک اسوہ میں رہ نمائی ملتی ہے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کا پاکیزہ نمونہ بھی تاریخ میں محفوظ ہے۔ ان سب سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔

حضورؐ کے گھر کا کل ساز وسامان، جس کا تذکرہ سیرت کی کتابوں میں درج ہے وہ یہ ہیں: ایک عصا، ایک لکڑی کا پیالہ، ایک شیشہ کا پیالہ، ایک پانی کا مشکیزہ، وضو کا برتن، کپڑے دھونے کا برتن، ہاتھ دھونے کا برتن، تیل کی شیشی۔ آئینہ اور کنگھا۔ ایک سرمہ دانی، قینچی اور مسواک، مہمان آجائیں تو ان کے لیے بڑا پیالہ ایک چارپائی اور ایک چمڑے کا بستر۔ (سیرت النبیؐ، صفحہ ۱۱۴-۱۲۰ جلد دوم)

داعی انسانوں کی ہدایت ورہ نمائی کے لیے بھرپور جدوجہد کرتا ہے۔ اس کی نگاہ آخرت کے اجر وثواب کے حصول پر جمی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی پانے کے علاوہ کوئی دوسرا محرک نہیں ہوتا۔

حضورؐ کی ایک طویل حدیث کا یہ ٹکڑا زادِ راہ کے طور پر پیش خدمت ہے:

''جب بندہ کی یہ کیفیت ہوجائے کہ اس کا مطمع نظر آخرت بن جائے اور اسے آخرت کی ہی فکر ہو تو اللہ تعالیٰ اسے تین چیزوں سے نوازتا ہے۔ پہلی چیز سکون قلب ہے۔ اس کے اندر خاطر جمعی ہوتی ہے۔ اس کے اعزہ واقارب، اولاد اور پڑوسی سب اس کو چاہتے ہیں۔ لوگوں میں محبوب ہوتا ہے، مگر اس کا نفس اور اس کے افکار وخیالات مطمئن ہوتے ہیں اس طریقہ سے

پرسکون زندگی گزارتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

دوسری چیز اللہ تعالیٰ اس کے قلب کے اندر تونگری پیدا فرما دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ عطا ہوا ہے اس پر وہ راضی ہوتا ہے اس کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کرتا۔ بندہ کے اندر تونگری کی کیفیت کا پیدا ہونا بڑی بات ہے۔ اس میں بندہ کے لیے بے حد خیر اور بے حد بھلائی ہے۔

تیسری چیز وہ دنیا سے بھاگتا ہے لیکن دنیا اس کے پیچھے دوڑتی ہے۔ وہ مقبولیت نہیں چاہتا لیکن مقبولیت خود اس کے پیچھے دوڑی دوڑی آتی ہے۔''

(ابوداؤد: ۳۶۶۰، ترمذی: ۲۶۵۶، ابن ماجہ: ۴۱۰۵، احمد: ۲۱۵۹)

پچھلے صفحات میں داعی کے لیے ضروری صفات کے سلسلے میں کچھ تفصیلات پیش کی گئی تھیں۔ داعی کے لیے درج ذیل صفات بھی بے حد اہمیت کے حامل ہیں:

حکمت و دانائی	خدمت انسان اور خدمت خلق	ایثار و قربانی
انفاق فی سبیل اللہ	نماز	عفو و درگزر
ناامیدی اور مایوسی سے بچنا	انسان سے محبت	دعا

اس سلسلے میں قرآن مع تفسیر، احادیث رسولؐ، سیرت رسولؐ اور سیرت صحابہؓ کے علاوہ درج ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا:

۱-تزکیۂ نفس	مولانا امین احسن اصلاحی
۲-اسلام کی دعوت	مولانا سید جلال الدین عمری
۳-اسلامی کردار	محمد الغزالی
۴-انسان کامل ؐ	ڈاکٹر خالد علوی
۵-داعی کے اوصاف	بنت الاسلام

کتابیات

۱-اسلام کی دعوت	مولانا سید جلال الدین عمری
۲-اسلام میں خدمت خلق کا تصور	مولانا سید جلال الدین عمری
۳-تربیت مفہوم اور تقاضے	مولانا سید احمد عروج قادری
۴-انسان کامل ؐ	ڈاکٹر خالد علوی
۵-نفوس قدسیہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی
۶-اہل مذاہب کو قرآن کی دعوت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی
۷-داعیان حق کے اوصاف	مولانا جلیل احسن ندوی
۸-عصر حاضر میں اسوۂ رسول ؐ کی معنویت	پروفیسر ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی
۹-اسلامی آداب معاشرت	حافظ صلاح الدین یوسف
۱۰-داعی کے اوصاف	بنت الاسلام
۱۱-خوف آخرت	ابو محمد امام الدین رام نگری
۱۲-اسلامی زندگی	مولانا وحید الدین خان
۱۳-ریاض الصالحین	مترجم: حافظ صلاح الدین یوسف
۱۴-ہر مرض کی دوا-دعوت الی اللہ	سید محمد ذوالفقار علی اشرفی
۱۵-ویدک دھرم اور اسلام	سید اخلاق حسین دہلوی
۱۶-دعوت وتبلیغ کا کام کیسے کریں؟	قمر الدین خاں

۱۷-غیر مسلموں میں طریق دعوت	مفتی محمد سرور فاروقی ندوی
۱۸-دعوت دین کے تیس لوازمات	الشیخ عارض بن عبداللہ القرنی
۱۹-دعوت کے اصول	عبدالماجد قاسمی
۲۰-دعوتی سوالات	شیخ محمد ریاض موسیٰ ملیباری
۲۱-ماہنامہ زندگی نو (خصوصی شمارہ، فروری ۱۹۵۳)	رام پور، یوپی
۲۲-ماہ نامہ راہِ اعتدال (خصوصی اشاعت اسلام دینِ خدمت)	جامعہ دارالسلام عمرآباد۔تمل ناڈو

دعوتِ دین

بعض عملی پہلو

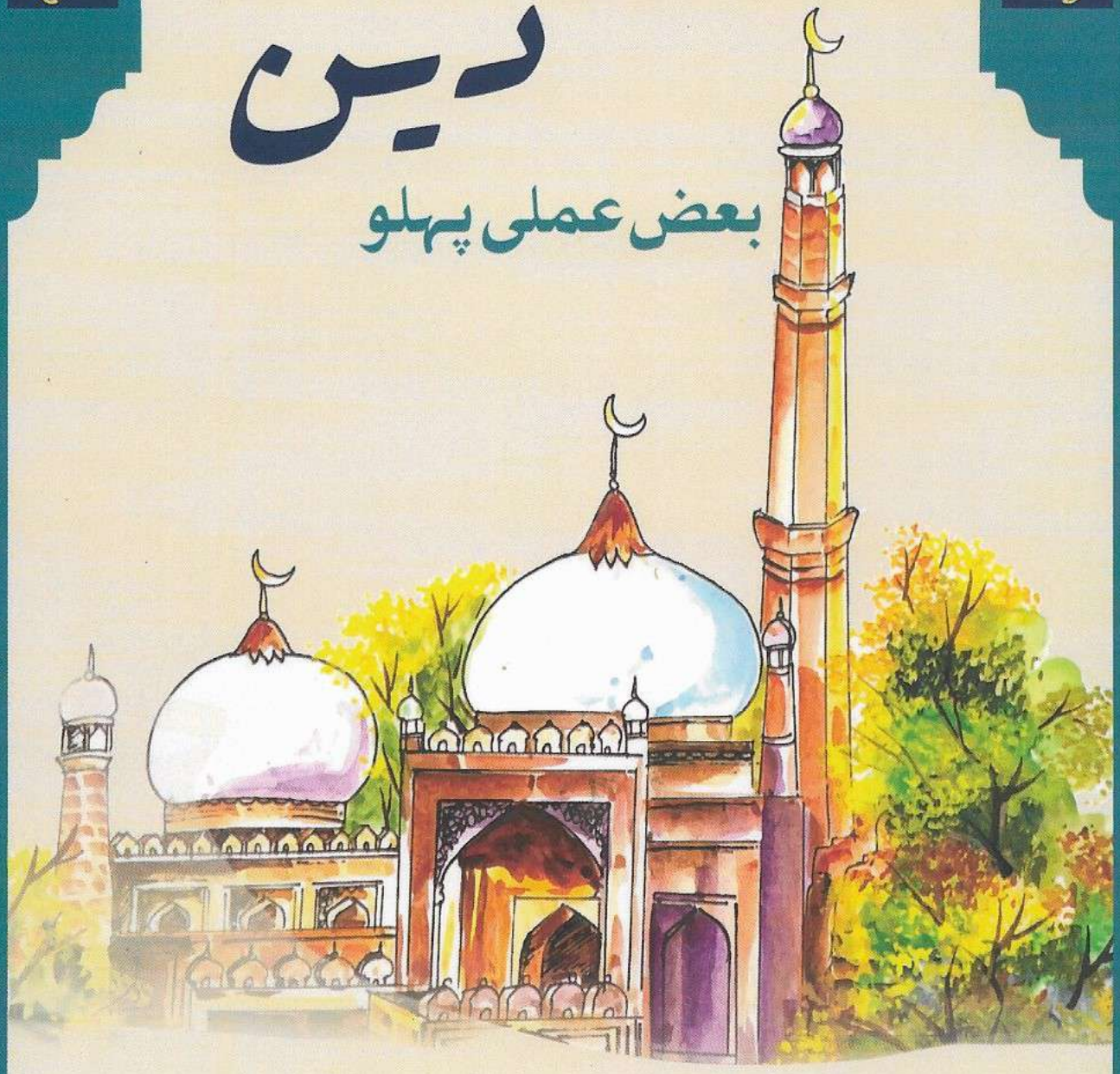

محمد اقبال مُلّا